قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

قرآن

اور

شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ
خطبات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	جاوید القادری، ضیاء نیر
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملت ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	فروری 1987ء (5,000)
اِشاعت نمبر 2	:	نومبر 1988ء (3,000)
اِشاعت نمبر 3 تا 9	:	جولائی 1995ء تا اپریل 2009ء (7,500)
اِشاعت نمبر 10	:	جنوری 2010ء (1,100)
اِشاعت نمبر 11	:	اکتوبر 2011ء (500)
اِشاعت نمبر 12	:	ستمبر 2013ء
تعداد	:	1,200
قیمت	:	-/70 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔

fmri@research.com.pk

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ

وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

www.MinhajBooks.com

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکشن نمبرایس او (پی -۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ ای جنرل وایم ۴/۷۰-۹۷-۳۷ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۱۱۴۴۲-۲۷-۶۷ این-۱/اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	حیات طیبہ کا حسی پہلو	۱۴
۲	حیات طیبہ کا روحانی پہلو	〃
۳	سیکولر ذہن	۱۵
۴	مذہبی ذہن	〃
۵	بیان فضائل -	۱۷
۶	بیان شمائل	۱۸
۷	بیان خصائل	〃
۸	تعلیماتی پہلو	۱۹
۹	جمالیاتی پہلو	〃
۱۰	قرآن اور شمائل نبوی ﷺ	۲۱
۱۱	قرآن اور نور مصطفوی ﷺ کا بیان	۲۲
۱۲	نور مصطفوی ﷺ اور قرآنی تمثیل	۲۴
۱۳	سراج منیر کا قرآنی استعارہ	۲۷
۱۴	نور مصطفوی ﷺ کے بارے میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے تاثرات	۲۹
۱۵	نور مصطفوی ﷺ کا ایک اور اعجاز	۳۰
۱۶	نور مجسم ﷺ کی شان تنویر	۳۱
۱۷	آیت والنجم میں نور مجسم ﷺ کا بیان	۳۲
۱۸	اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے	۳۵
۱۹	جس شئے کو حضور ﷺ سے نسبت ہے وہ بھی اللہ کے ہاں لائق قسم ہے۔	۳۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۰	خوش تر آں شہرے کہ آنجا دلبر است	۳۷
۲۱	لَآ اُقْسِمُ کی پہلی تفسیر	۳۸
۲۲	لَآ اُقْسِمُ کی دوسری تفسیر	۴۰
۲۳	قرآن میں کسی مقام پر حضور ﷺ کو محض نام لے کر نہیں پکارا گیا	۴۱
۲۴	چہرہ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم	۴۳
۲۵	قسم کا پس منظر	۴۴
۲۶	حضور ﷺ کی چشمان مقدس کا بیان	۴۵
۲۷	قلب مصطفوی ﷺ اور قرآن	۴۶
۲۸	تدریجاً نزول قرآن کی حکمت	〃
۲۹	قوتِ قلبِ نبی ﷺ اور قرآن	۴۷
۳۰	اللہ رب العزت کو اپنے محبوب ﷺ کی مشقت گوارہ نہیں	۴۹
۳۱	قرآن اور شرح صدر کا بیان	۵۰
۳۲	استفہامیہ انداز اختیار کرنے کی حکمت	۵۱
۳۳	سورہ الانشراح میں "لک" کی معنوی اہمیت	۵۲
۳۴	کلمہ "لک" کے اضافے کے دو اور مثالیں	۵۳
۳۵	اہل ایمان کا سینہ کھولنے کی حقیقت	۵۴
۳۶	حضور ﷺ کے قلب مبارک کی رقت اور نرمی کا بیان	۵۵
۳۷	ذکر مصطفوی ﷺ کی رفعت اور قرآن	۵۶
۳۸	رضائے حبیب ﷺ اور قرآن	۵۸
۳۹	غلامانِ مصطفوی ﷺ کے لئے سب سے امید افزاء آیت	۶۰
۴۰	تعلیمات قرآنی کا بنیادی فلسفہ	۶۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۱	خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم	۶۱
۴۲	آپ ﷺ کی ہر ادا باری تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے	۶۴
۴۳	حضور ﷺ کی پشت اطہر کا بیان	۶۵
۴۴	خدا کی نگاہیں ہمہ وقت اپنے محبوب ﷺ کی طرف لگی ہوئی ہیں	۶۶
۴۵	قرآن حکیم میں گفتار مصطفیٰ ﷺ کا ذکر	۶۷
۴۶	فعل نبوی ﷺ فعل الٰہی ہے	۶۹
۴۷	رسول امی کا معلم حقیقی خدا ہے	۷۰
۴۸	بیان شمائل کا مقصد تعلیم ادب ہے	〃

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امر واقعہ ہے کہ جب سے ملتِ اسلامیہ عالمی سطح پر ہمہ گیر زوال سے دوچار ہوئی ہے ہر میدان میں اس کی فکری اور عملی سمتیں اپنے اصل مرکز سے ہٹ گئی ہیں اور اگر کسی وقت احساسِ زیاں کا کچھ شعور رکھنے والے افراد کی طرف سے ملی سطح پر اس ہمہ گیر فکری اور عملی بگاڑ کی جزوی اصلاح کی کوششیں ہوئی بھی ہیں تو وہ کماحقہ کارگر نہیں ہو سکیں کیونکہ ان میں سے اکثر میں کوئی نہ کوئی ایسی کمی ضرور رہ گئی ہے جس کے نتیجے میں اصلاح احوال کی بجائے مزید الجھنیں پیدا ہوئی ہیں اور عوام کی رہی سہی امیدیں بھی غم و یاس میں بدلتی چلی گئی ہیں اور صورت حالات کچھ یوں نظر آ رہی ہے کہ

ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

اس وقت ہماری بحث کسی اور مسئلے سے نہیں بلکہ اپنی توجہ کو صرف اس امر پر مرکوز کرنا ہے کہ

☆ جب زوال پذیر عالم اسلام میں مذہبی و روحانی اقدار تنزل کا شکار ہو گئیں۔
☆ اسلامی عقائد و اعمال محض مردہ اوہام و رسوم میں بدل کر عملی تاثیر کھو بیٹھے۔
☆ مسلمانوں کا مستقبل میں اپنے احیاء کی نسبت اعتماد کلیتہً ختم ہو گیا۔
☆ آئندہ کے لیے اسلام کے قابل عمل ہونے کا تصور دھندلا گیا۔
☆ دور انحطاط میں اسلام کی حتمی و قطعی نتیجہ خیزی کا یقین شکستہ ہو گیا۔
☆ مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔
☆ مذہب سماجی زندگی سے کٹ کر محض آخرت کی الجھنوں کا مداوا رہ گیا۔
☆ اسلامی وحدت کا شیرازہ جغرافیائی، نسلی، لسانی، طبقاتی، گروہی اور فرقہ وارانہ

www.MinhajBooks.com

وفاداریوں کے باعث منتشر ہو گیا۔

☆ اسلام کے مذہبی، سیاسی، معاشی، عمرانی، ثقافتی اور تعلیمی ادارے جو سراسر تخلیق و انقلاب کے آئینہ دار تھے کلی طور پر جمود کی لپیٹ میں آ گئے۔

☆ بچے کھچے اور منتشر مسلمان اسلام کی عالمگیر فتح کی خاطر مثبت انقلابی پیش قدمی کے بجائے اپنے وجود کی حفاظت اور دفاع کو ہی اصل زندگی اور آخری مطمحِ نظر سمجھنے لگے تو استعماری قوتیں اس تغیر پر مطمئن نہ ہوئیں اور اس تغیر کے نتائج و مضمرات کو ہمیشہ کے لیے ملت اسلامیہ پر باقی رکھنے کی ترکیب بھی سوچنے لگیں کہ اگر اسلام کے دامن میں کوئی ایسی انقلاب انگیز قوت موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے مسلم قوم مذکورہ بالا تمام تر خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود کسی وقت بھی اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا سکتی ہے تو اسی قوت کا سراغ لگا کر اس کے خاتمے کا مؤثر اہتمام کیا جائے تاکہ عالم اسلام اس ذلت و پستی کی حالت سے کبھی نجات نہ پا سکے کیونکہ اسی میں تمام طاغوتی اور مادی قوتوں کی عافیت تھی۔ اسلام کی وہ عظیم انقلابی قوت جس سے عالم طاغوت لرزہ براندام تھا، عشقِ رسول ﷺ تھی اور اسی سے مسلمانوں کی مذہبی و روحانی زندگی روزِ اوّل سے آج تک وابستہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بارہا سیاسی تغیرات کے باوجود ملت اسلامیہ کا مذہبی و روحانی نظام زوال پزیر نہ ہو سکا بلکہ اس کے ارتقاء کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ کیونکہ صوفیائے اسلام کی پیہم تبلیغی مساعی نے ہر دور میں مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسالتمآب ﷺ کی وہ شمع فروزاں رکھی جس میں ہماری ملی حیات کی بقا کی ضمانت موجود تھی۔

ایک مشہور مغربی مورخ پروفیسر ہٹی بیان کرتے ہیں کہ "اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض شاندار کامیابیاں حاصل کیں"

ہالینڈ کے ایک فاضل "لوکے گارد" نے دبے الفاظ میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ

ہمیشہ جاری رہا۔ انہی اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے انگلستان کے ایک مشہور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ اے گپ نے بیان کیا ہے کہ "تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی"

یہ حقیقت ہے کہ صوفیاء کی تعلیم اور ان کا فکر عشق رسالت مآب ﷺ سے کس قدر لبریز ہے، کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں۔ عشق مصطفیٰ ﷺ سے لبریز اسی فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

ایک اور مقام پر بارگہ رسالت مآب ﷺ میں اس طرح عرض پرداز ہیں کہ عشق و مستی کے ہزاروں قلزم ایک شعر میں محصور نظر آتے ہیں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

اسی مضمون کو اردو میں علامہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

ایک مقام پر علامہ اقبالؒ عشق رسالت ﷺ میں کیف و مستی کی کیفیت میں ڈوب کر رقمطراز ہیں:

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدہ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

www.MinhajBooks.com

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است
نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان خواجہ اوست

علامہ دربار رسالت میں کس قدر درد سے التجاء کرتے ہیں:

مسلماں آں فقیر کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالد' چرا نالد' نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

نہ صرف یہ کہ علامہ نے امت محمدی ﷺ کو ذات محمدی ﷺ سے والہانہ عشق کا پیغام دیا بلکہ اسی عشق رسالت مآب ﷺ کو ملت اسلامیہ کی بقاو دوام کا راز بھی قرار دیا اور یہی وہ انقلاب انگیز قوت تھی جس سے سامراجی و طاغوتی طاقتیں خائف تھیں' آپ فرماتے ہیں۔

لانبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است
قوم را سرمایہ قوت ازو
حفظ سر وحدت ملت ازو

علامہ امت مسلمہ کو چراغ مصطفوی ﷺ کا پروانہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

امتے از ما سوا بیگانہ
بر چراغ مصطفیٰ پروانہ

علامہ اقبالؒ نے اسی ابدی حقیقت کو مزید ان الفاظ میں آشکار کیا ہے

www.MinhajBooks.com

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما
تانہ ایں وحدت زدست ما رود
نیستی ما باابد ہمدم شود

تا شعارِ مصطفیٰ ﷺ از دست رفت
قوم را رمز از دست رفت

زوالِ اسلام کے اس دور میں جب اقبالؒ ملت اسلامیہ کے عروق مردہ میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے پیغام کے ذریعے نئی روح پھونک کر اسے تباہی وہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے' اسلام دشمن استعماری طاقتیں منظم ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں اسی عشق رسالت مآب ﷺ کی شمع بجھا دینے کا سوچ رہی تھیں انہیں معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کے دل رسالتمآب ﷺ کے عشق و محبت سے خالی ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی نہ تو انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلا سکتی ہے اور نہ ہی اصلاح و تجدید کی ہزاروں تحریکیں انہیں اپنی منزل مراد تک پہنچا سکتی ہیں یہ محض ایک مفروضہ یا خیال خام نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے۔ مغربی استعمار کی اسی سازش کی طرف علامہ مرحومؒ نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا تھا:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

چنانچہ اسی مقصد کے تحت اہل مغرب نے یہ فکری میدان اسلامی تحقیق کے نام پر بعض متعصب یہودی اور عیسائی مستشرقین (Orientalists) کے سپرد کر دیا جنھوں نے اسلام کی تعلیمات اور بانی اسلام ﷺ کی شخصیت اور سیرت پر اس نداز سے تحقیق کر کے لاتعداد کتب تصنیف کیں کہ اگر ایک خالی الذہن سادہ مسلمان نہایت

نیک نیتی کے ساتھ بھی ان تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا ذہن رسول اکرم ﷺ کی ذات اور تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور ان کتابوں کے باقاعدہ مطالعہ سے جو ذہن تشکیل پاتا ہے اسے عشق رسالت مآب ﷺ کے تصور سے دور کا بھی واسطہ باقی نہیں رہتا۔ ان مستشرقین نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کا محاذ سنبھال لیا جس سے وہ اپنے مطلوبہ نتائج کافی حد تک حاصل کر رہے ہیں۔

دوسری طرف بعض مفکرین ہی کے ہاتھوں نادانستہ طور پر یہی کام سرانجام پانے لگا۔ وہ اس طرح کہ جب دور جدید میں مسائل حیات بدلے اور نئے نئے تقاضوں نے جنم لیا تو کئی مسلم مفکرین نے اسلام کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کو اس انداز سے پیش کرنا شروع کیا کہ عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ہرچند کہ یہ علمی کوششیں نہ صرف درست تھیں بلکہ تقاضائے وقت کے پیش نظر ضروری بھی تھیں۔ لیکن ان مفکرین کے سامنے مسلمانوں کو درپیش مسئلے کا محض ایک رخ ہی رہا اور دوسرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت کے دو پہلو ہیں جو اپنی اپنی جگہ علیحدہ اور مستقل بھی ہیں اور باہم لازم و ملزوم بھی۔ ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظرانداز کرنا اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۔ حیات طیبہ کا حسی پہلو

۲۔ حیات طیبہ کا روحانی پہلو

حسی پہلو حضور ﷺ کے بشری و انسانی اوصاف و کمالات پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی شخصیت کی ایسی جامع و مانع تصویر سامنے آتی ہے کہ انسانِ کامل اور اسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے اس سے حضور ﷺ کے حسن اخلاق، حسن معیشت، شجاعت و بسالت، صبر و تحمل، صداقت و امانت، تدبر

www.MinhajBooks.com

وبصیرت، عدالت و فقاہت جود و سخا اور رحمت و مودت جیسے عظیم خصائل و اوصاف کا علم حاصل ہوتا ہے اور ہر قاری حضور ﷺ کی ذات گرامی کو عظیم مصلح و رہنماء، عظیم مدبر و منتظم، عادل قاضی و منصف، بے نظیر محقق، مثالی قائد و سپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، معیاری خاوند اور سربراہ خاندان، کامیاب سربراہ ریاست اور اسی طرح ایک عظیم انسان کے روپ میں دیکھنے لگتا ہے سیرت النبی ﷺ کے اس پہلو کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن جب بعض مسلم مفکرین و مصنفین نے جناب رسالتمآب ﷺ کے فضائل و شمائل کے بیان کو صرف اسی حسی پہلو تک محصور کر دیا اور وہ روحانی و معجزاتی پہلو جو حضور ﷺ کے بلند و بالا کمالات نبوت اور فضائل و شمائل پر مشتمل تھا، یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ نسل کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو محض صوفیاء و عرفاء کے لئے ہیں۔

مزید برآں ان ظاہری فضائل کا بیان بھی عقیدت و محبت کی چاشنی اور تعظیم و تکریم کے رنگ سے اس بنا پر عاری رکھا گیا کہ یہ آداب تحقیق کے منافی ہے لہٰذا اس غلو سے اپنی تحریروں کو مبرا ہی رکھنا چاہئے۔ نتیجۃً وہ قلبی عقیدت اور والہانہ انس ومحبت جو رفتہ رفتہ عشق میں بدل جایا کرتی ہے اس نسل کے دلوں سے ناپید ہوتی گئی کیونکہ عشق کی کیفیت جس کا تعلق عقل و خرد سے نہیں خالصتاً دل کی دنیا سے ہوتا ہے بالخصوص دوسرے پہلو کے ساتھ وابستہ تھی جسے جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا۔

محض حسی پہلو کے فضائل کے بیان سے فکری و نظری مباحث کی صورت میں تعقل پسند طبقے کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے، اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو نئے سرے سے نئے حالات میں قابل عمل اور نتیجہ خیز بھی ثابت کیا جاسکتا ہے مگر مسلمانوں کے دلوں میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کے عشق ومحبت کا چراغ روشن نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے سینوں میں، آقائے دوجہاں ﷺ کی دیوانہ وار الفت وعقیدت کا وہ طوفان بپا نہیں کیا جاسکتا جس کی قوت سے وہ

www.MinhajBooks.com

کفر و طاغوت کے خلاف ٹکرا جائیں اور ناموس دین مصطفوی ﷺ کی خاطر اس طرح جانوں کے نذرانے پیش کر دیں کہ
"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے آ جائے۔

جب غیر مسلم مفکرین نے حضور ﷺ کی شخصیت کے محض ظاہری پہلوؤں کو منفی انداز میں پیش کیا اور مسلم مفکرین نے بھی انہیں ظاہری پہلوؤں کو مثبت انداز میں پیش کر کے آنحضرت ﷺ کے باطنی و روحانی فضائل و کمالات کے بیان کو جدید دور میں غیر ضروری سمجھتے ہوئے ترک کر دیا تو نئی نسل میں دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے۔

○ سیکولر ذہن

○ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولر ذہن جو فکری تشتت اور نظریاتی تشکیک میں مبتلا ہو کر خود کو روشن خیال مسلمان تصور کر رہا تھا، مستشرقین کے زہریلے پراپیگنڈے کے باعث عشق رسول ﷺ کی دولت سے عاری ہو گیا اور مذہبی ذہن جو مستشرقین کے پراپیگنڈے کے اثر سے کسی نہ کسی طور بچ گیا تھا وہ جدید لٹریچر کے نتیجے میں اسلام اور بانئ اسلام ﷺ سے وابستہ تو رہا لیکن عشق رسول ﷺ کے عقیدے کو فرسودہ، غیر ضروری اور جاہلانہ شخصیت پرستی کے مترادف تصور کرنے لگا۔ اس طرح دونوں طبقات اس دولت لازوال سے تہی دامن ہو کر ایمانی حلاوت اور روحانی کیفیات سے محروم ہو گئے۔ جدید تصورات کی گرفت اس قدر مضبوط اور کامل نہ تھی کہ مسلمانوں کی اسلامیت ظاہر و باطن کے اعتبار سے محفوظ رہتی۔ یوں ہماری قومی و ملی زندگی تباہی و ہلاکت کا شکار ہو گئی۔

اس دور میں احیائے اسلام اور ملت کی نشأۃ ثانیہ کی جس قدر علمی و فکری تحریکیں منصۂ شہود پر آئی ہیں ان سب کی تعلیمات سے جو تصور مسلمانوں کی نوجوان

نسل کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے یہی ہے کہ اسلام کو بحیثیت نظام حیات قبول کر لینا اور حضور ﷺ کی سیرت و تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی کمال ایمان اور محبت رسول ﷺ ہے۔ اس اتباع کے علاوہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے خاص قسم کا قلبی اور جذباتی لگاؤ جسے والہانہ عشق و محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کی علامات واحوال سے اہل دل بخوبی واقف ہیں۔ مقصود ایمان ہے نہ تعلیم اسلام، بلکہ یہ جاہلانہ شخصیت پرستی کی ایک صورت ہے جو توحید خالص کے منافی ہے۔

اس لئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیماتی سیرت کے بیان سے قبل آپ ﷺ کے کمالات و فضائل اور شمائل کا اجمالی تذکرہ کر لیا جائے تاکہ قاری عشق و محبت سے مملو جذبات کے ساتھ مطالعہ سیرت کا آغاز کر سکے۔

حضور رسالت مآب ﷺ کا ذکر جمیل بالعموم تین صورتوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

(۱) بیان فضائل

(۲) بیان شمائل

(۳) بیان خصائل

جب بھی کوئی آنحضور ﷺ کی ذات ستوہ صفات کا ذکر کرے گا تو وہ لامحالہ انہی تینوں یا ان میں سے کسی ایک جہت سے متعلق ہو گا۔

۱۔ بیان فضائل

فضائل سے آنحضور نبی اکرم ﷺ کے وہ پیغمبرانہ امتیازات اور معجزات و کمالات مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً آنحضور ﷺ کی ذات اقدس سے ظاہر ہوتے رہے۔ ان کے ذکر کا مقصد اوّلین دلوں پر رسول مقبول ﷺ کی عظمت و تکریم کا نقش ثبت کرنا ہے۔ یہ تصور اگر دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس سے بذات خود حقانیت اسلام کی بہت بڑی دلیل ہاتھ آتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جانے کا یہی

بنیادی فلسفہ تھا۔

۲۔ بیان شمائل

شمائل کا تعلق حضور ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے حسن ظاہر سے ہے۔ اس کے بیان کا مدعا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات سے عشق و محبت کے والہانہ جذبات اہل ایمان کے دلوں میں فروغ پائیں۔ یہ فطری بات ہے کہ کسی حسین کے حسنِ دلپذیر کا تذکرہ کیا جائے تو دل بے اختیار اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ اس مضمون میں ہمارے پیش نظر ذکر رسول اللہ ﷺ کا یہی پہلو ہے۔ کیونکہ محبت رسول ﷺ میں والہانہ پن ہی ایمان کا حقیقی کمال اور اطاعت و اتباع کی صحیح بنیاد ہے۔

۳۔ بیان خصائل

خصائل کا بیان حضور ﷺ کی عادات و اطوار اور افعال و اعمال سے متعلق ہے۔ گویا یہ شخصیت مبارکہ کے حسن باطن کا آئینہ دار ہے۔ ان سے آپ کے اسوہ حسنہ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہوتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں انسان اپنے عمل کی اصلاح اور اخلاق کی تطہیر کر سکے اور اپنی زندگی آنحضور ﷺ کی مقدس تعلیمات کے سانچے میں ڈھال سکے۔ یہ پہلو اطاعت و اتباع کی ترغیب دیتا ہے۔ ہم ذکر رسول ﷺ کا آغاز شمائل کے بیان سے کر رہے ہیں۔ جس میں قرآن حکیم کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتی عظمت و کمال اور شخصی وجاہت و جمال پر روشنی ڈالی جائے گی۔

شمائل نبوی ﷺ بیان کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں مستحضر کر لینا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک دو پہلوؤں پر محیط ہے۔

۱۔ تعلیماتی پہلو

۲۔ جمالیاتی پہلو

۱۔ تعلیماتی پہلو

اس کا تعلق حضور ﷺ کی عملی زندگی سے ہے جس میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کا سامان ہے تاکہ وہ آپ کی سوانح و سیرت اور اسوہ حسنہ سے روشنی لے کر اپنی عملی زندگی انہی خطوط پر استوار کر سکے جو حضور ﷺ نے اپنے متبعین کی راہنمائی کے لئے چھوڑے ہیں۔ یہ بیان سیرت النبی ﷺ کے زمرے میں آتا ہے جس کا مفصل اور مبسوط تذکرہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

۲۔ جمالیاتی پہلو

اس پہلو کا موضوع آپ ﷺ کی شخصیت کا حسن ظاہر اور آپ ﷺ کے کمالات و محاسن ہیں جن کے تذکرے سے آپ ﷺ کے ساتھ قلبی لگاؤ اور محبت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ جو ایمان کی اصل اور اساس ہے اس کے تحت ہم اپنا بیان آنحضور ﷺ کے حسن سراپا کے ذکر جمیل سے شروع کر رہے ہیں تاکہ حضور ﷺ کے حسین و جمیل شمائل اور آپ ﷺ کے شخصی محاسن و محامد کے تذکرے سے قلوب میں روحانی بہجت و انبساط کی کیفیت پیدا ہو اور حضور ﷺ سے والہانہ عشق و محبت انسان کا مطمع نظر بن جائے۔ جو کہ رضائے الٰہی کا باعث ہے۔

یہی دو پہلو خود قرآن مجید کے اندر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ آیات قرآنی ایک تو بنی نوع انسان کو اصلاح حیات کے لئے ہدایات کا ذخیرہ عطا کرتی ہیں۔ جس سے قرآن کا تعلیماتی پہلو تشکیل پاتا ہے اور یہی آیات اور بعض سُوَر اپنے الفاظ کے صوتی ترنم، معنوی نغمگی، بیان کی سلاست اور نظم کے حسن کی صورت میں قرآن کے جمالیاتی پہلو کو تشکیل دیتی ہیں۔ جس کے باعث سامعین کے دل تلاوت قرآن کے صوتی اثرات سے رقت اور کیف و سرور کی لذت حاصل کرتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ پہلو فی نفسہ اپنے اندر اوامر و نواہی جیسی قانونی یا اخلاقی

www.MinhajBooks.com

تعلیمات کا مواد تو نہیں رکھتا لیکن اس کی اہمیت وافادیت اور اثر انگیزی سے کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے اہل علم نے قرآنی عظمت کے اس پہلو پر کافی سیر حاصل تحقیق کی ہے۔ ہم نے بھی بالکل یہی اسلوب شخصیت محمدی ﷺ کے مطالعہ میں اپنایا ہے تاکہ حضور ﷺ سے رشتۂ غلامی میں منسلک ہونے والے آپ ﷺ کی شخصیت مقدسہ کے تعلیماتی اور جمالیاتی دونوں پہلوؤں سے آگاہ ہو سکیں۔

www.MinhajBooks.com

قرآن اور شمائل نبوی ﷺ

یہ بات ظاہر وباہر ہے کہ جب انسان فطری اور طبعی طور پر کسی ہستی کے محاسن اور اوصاف سے آگاہ ہو جاتا ہے اور انہیں پسند کرنے لگتا ہے تو اس کے دل میں اس کی محبت کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے آنحضور ﷺ کی ذات جو مجموعہ اوصاف وکمالات ہے' کی محبت جب کسی کے خمیر ذوق میں بدرجہ اتم شامل ہو جاتی ہے تو پھر وہ اٹھتے بیٹھتے بات بات پر کسی نہ کسی بہانے ذکر محبوب ﷺ کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ واضح رہے کہ اس ذکر میں عقلی اور قانونی تعلیم کا کوئی ایسا پہلو مضمر نہیں ہوتا جس کی پیروی اور تقلید عملی زندگی میں کی جاسکے بلکہ یہ پہلو سراسر جذبۂ محبت کی تسکین پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس سے دل کی زمین کی سیرابی بہر طور ہو جاتی ہے۔

سردست ہمارے پیش نظر اس بات کا کھوج لگانا ہے کہ حضور ﷺ کے شمائل مبارکہ کے باب میں جو احادیث کا عظیم ذخیرہ موجود ہے قرآن ان کی تائید میں کیا حکم صادر کرتا ہے۔ کتب احادیث میں محدثین اور علمائے کرام نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ آنحضور ﷺ کے شمائل و فضائل پر روشنی ڈالی ہے۔ اب یہ دیکھنا اہل علم کا کام ہے کہ قرآن مجید مختلف مسائل پر تحقیق و تفحص اور ان کی صحت وعدم صحت کے بارے میں کیا حتمی معیار فراہم کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر مصطفٰی ﷺ کے بارے میں قرآن کی حیثیت اساسی اور بنیادی ہے۔ بلاشبہ حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ اور شمائل و فضائل کے باب میں قرآن سے بڑھ کر زیادہ مستند اور معتبر ذریعہ کوئی نہیں چنانچہ قرآن نے سرور کائنات ﷺ کے سراپا مبارک اور حسن مجسم کا ذکر ایسے بلیغ اور دلاویز انداز سے کیا ہے کہ مشتاقان جمال مصطفوی ﷺ اسے سن کر وجد میں آ جاتے ہیں اور ان کے دل میں عشق و محبت کے ایسے چراغ روشن ہو جاتے ہیں جنہیں حوادث زمانہ کی کوئی آندھی گل نہیں کر سکتی۔

قرآن اور نور مصطفٰی ﷺ کا بیان

قرآن حضور اکرم ﷺ کو سراپا نور قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

www.MinhajBooks.com

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ، ۵:۱۵)

بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آ چکا اور ایک روشن کتاب۔

یہاں دو نوروں کا ذکر ہے جنہیں خدائے عظیم نے انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے کائنات میں بھیجا۔ ایک نور مجسم سرور کائنات حضرت محمد ﷺ اور دوسری کتاب الٰہی جس کے سراپا ہدایت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۱۔ سید المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ رسول يعني محمدًا (تفسیر ابن عباس، ۱۷۲)

اللہ کی طرف سے تمہاری پاس نور آ چکا یعنی رسول اکرم ﷺ جن کا اسم گرامی محمد ہے۔

۲۔ امام ابن جریر ؒ اسی بات کو تفصیلا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يعني بالنور محمد ﷺ الذی انار اللّٰہ بہ الحق و اظهر بہ الاسلام و محق بہ الشرک فهو نور لمن استنار (تفسیر ابن جریر، ۶: ۹۲)

نور سے مراد ذات مصطفیٰ ﷺ ہے جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کیا، اسلام کو ظاہر فرمایا اور شرک کو نیست ونابود کیا۔ آپ ﷺ ہر اس چیز کے لئے نور ہیں جو روشنی چاہے۔

۳۔ امام جلال الدین سیوطی ؒ نور اور کتاب سے مراد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ هو النبي ﷺ و كتاب قران (تفسیر جلالین: ۹۷)

اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ چکا یعنی نبی اکرم ﷺ اور ایک کتاب یعنی قرآن۔

۴۔ علامہ محمود آلوسی ؒ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ای عظيم و

بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے

هو نور الانوار و النبي المختار

(روح المعانی، ۶: ۹۷)

پاس ایک نور آچکا جو عظیم ہے اور اس سے مراد نبی مختار کی ذات اقدس ہے جو تمام انوار کا سرچشمہ ہے۔

۵۔ امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں:

المراد بالنور محمد و بالكتاب القرآن

(تفسیر کبیر، ۱۱: ۱۸۹)

نور سے مراد محمد ﷺ اور کتاب سے قرآن مراد ہے۔

بعض مفسرین نے جبائی کے حوالے سے آیت مذکورہ میں واؤ کو تفسیری قرار دیتے ہوئے کہا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے قرآن مراد ہے۔

امام رازیؒ ان کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الثالث النور و الكتاب هو القرآن و هذا ضعيف لان العطف يوجب المغائيرة بين المعطوف و المعطوف عليه

(تفسیر کبیر، ۱۱: ۱۹۰)

نور اور کتاب دونوں سے قرآن ہی مراد لینا ضعیف ہے کیونکہ واؤ عاطفہ کا تقاضا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تغایُر ہو۔

حضرت ملا علی قاریؒ شرح شفاء میں یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قد يقال في مقابلهم اي مانع من ان يجعل النعتان للرسول ﷺ فانه نور عظيم لكمال ظهوره بين الانوار و كتاب مبين من حيث انه جامع لجميع الاسرار و مظهر للاحكام و الاحوال الاخبار

(شرح الشفاء، ملا علی قاری، ۱: ۴۲)

جب نور اور کتاب دونوں سے قرآن مراد لیا جا سکتا ہے تو ان دونوں سے ذات رسول ﷺ بطریق احسن مراد لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں شانیں آپ ﷺ کی ذات اقدس میں کامل طور پر موجود ہیں۔ نور بایں طور کہ انوار میں کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور

کتاب مبین اس اعتبار سے ہیں کہ آپ ﷺ جمیع اسرار الٰہیہ کے جامع احکام شرعیہ کے مبین اور احوال و اخبار پر مطلع فرمانے والے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ اسی رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و لا یبعد عندی ان یراد بالنور و الکتاب المبین النبی ﷺ و العطف علیہ کالعطف علی ما قالہ الجبائی و لا شک فی صحتہ اطلاق کل علیہ الصلوۃ و السلام

(روح المعانی، ۶: ۹۷)

اگر جبائی کی رائے کے مطابق عطف تفسیری قرار دیا جائے تو پھر نور اور کتاب سے آپ ﷺ کی ذات اقدس مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ بغیر کسی شک و شبہ کے یہ دونوں شانیں آپ ﷺ کی ذات میں موجود ہیں۔

نور مصطفوی ﷺ اور قرآنی تمثیل

حضور ﷺ کے سراپا حسن و جمال کو قرآن نے ایک اور مقام پر تمثیلاً اس طرح بھی بیان کیا ہے:۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ

(النور، ۲۴: ۳۵)

اللہ (ہی) آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کا نور ایک ایسے طاق جیسا ہے جس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔

آیہ کریمہ میں خالق کل نے خود کو آسمانوں اور زمینوں کا نور قرار دیا ہے۔ یہاں قرآن مجید تمثیل کے انداز میں کلام کر رہا ہے اور "**نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ**" کہہ کر در حقیقت اللہ کا نور "**منور السموات و الارض**" ہونا بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ وہی ذات اپنی تجلیات حسن و جمال سے کائنات بالا و زیریں کے گوشے گوشے کو منور کیے ہوئے ہے۔

آیت مذکورہ میں مجازاً نور ایزدی کی مثال طاق سے دی گئی ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ شیشے کے فانوس میں ضو ریز ہے۔

درحقیقت قرآن مجید یہاں استعاراتی زبان کے طور پر نور مصطفوی ﷺ کی نشاندہی کر رہا ہے جس سے آسمانوں اور زمینوں کے شبستان روشن ہیں، جو درحقیقت نور الٰہی کا مظہر اتم ہے۔

جیسا کہ تفسیر مظہری میں صراحت کے ساتھ روایت ہے:

قال سعید بن جبیر و الضحاک هو محمد ﷺ

(تفسیر مظھری، ٦:٥٢٢)

حضرت سعید بن جبیر اور امام ضحاک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں نور سے مراد ذات محمد ﷺ ہے۔

امام خازنؒ اور امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعبؒ سے اس ضمن میں سوال کیا:

اخبرنی عن قوله تعالٰی مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ

مجھے باری تعالٰی کے ارشاد مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ کے بارے میں بتائیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

هذا مثل ضربه الله لنبيه ﷺ فالمشكوة صدره و الزجاجة قلبه و المصباح فيه النبوة توقد من شجرة مباركة هي شجرة النبوة

(الخازن، ٥:٦٥)

(آیت مذکورہ میں) باری تعالٰی نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے متعلق ایک مثال بیان فرمائی ہے مشکوۃ سے آپ ﷺ کا سینہ اقدس مراد ہے۔ زجاجہ سے مراد آپ ﷺ کا قلب اطہر ہے جبکہ مصباح سے مراد صفت نبوت ہے جو شجر نبوت سے روشن ہے۔

کعب بن احبار رضی اللہ عنہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آیت بالا میں دوسری

www.MinhajBooks.com

مرتبہ لفظ نور سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

قال سھل بن عبد اللّٰہ المعنی اللّٰہ ھادی السموات و الارض ثم قال مثل نور محمد اذا کان مستودعا فی الاصلاب کمشکوٰۃ صفتھا کذا و اراد بالمصباح قلبہ و الزجاجہ صدرہ ای کانہ کوکب دری لما فیہ من الایمان و الحکمۃ یوقد من شجرۃ مبارکۃ ای من نور ابراھیم علیہ السلام و ضرب المثل بالشجرۃ المبارکۃ فقولہ یکاد زیتھا یضئی ای تکاد نبوۃ محمد ﷺ تبین للناس قبل کلامہ کھذا الزیت

(الشفاء ۱: ۱۰-۱۱)

حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا ہادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نور محمد ﷺ کی مثال جب کہ آپ ﷺ آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے طاقچہ کی طرح ہے جن کا حال یہ ہے۔ مصباح یعنی چراغ سے مراد آپ ﷺ کا قلب اطہر ہے۔ زجاجہ (شیشہ) سے مراد آپ ﷺ کا سینہ انور ہے۔ گویا وہ ایک روشن ستارہ ہے کیونکہ اس میں ایمان اور حکمت ہے اور مبارک درخت سے روشن ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نور سے روشن کیا جاتا ہے اور درخت مبارکہ کی مثال میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **یَکَادُ زَیْتُهَا** سے مراد یہ ہے کہ عنقریب حضرت محمد ﷺ کی نبوت ان کے کلام سے پہلے ظاہر ہو گی جیسا کہ یہ زیتون۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ یقیناً حضور ﷺ کا قلب انور ہے۔ جس سے نور سرمدی کی شعائیں چھن کر گرد و پیش کے ماحول کو روشن کر رہی ہیں۔ یہاں حضور ﷺ کی ذات اقدس کو قرآن نے نور قرار دیا اور خدا کے نور کی نسبت سے اسے نور خدا اور نور حق سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اسی حقیقت کی طرف اپنے شعر میں یوں اشارہ کیا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

متذکرہ بالا آیت مبارکہ مثل نورہ کی شرح و تفسیر جو ہم نے اوپر بیان کی ہے حضرت کعب' عبد اللہ بن زبیر' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دیگر اکابر صحابہ و تابعین کے فرمودات پر مبنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ برگزیدہ اور نامور صحابی ہیں جنہیں ان کی بصیرت علمی اور قرآن فہمی کی بنا پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترجمان القرآن کا لقب عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ ارشاد بھی منقول ہے:

انہ کان حبر ھذہ الامۃ	یہ میری امت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

سراج منیر کا قرآنی استعارہ

قرآن کریم میں رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو روشن چراغ سے بھی تشبیہ دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب' ۳۳:۴۵-۴۶)	اے نبی! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ (بنا کر) اور خوشخبری سنانے والا اور نصیحت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور (آپ کو) اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سراپا کو سراجٌ منیر قرار دینا ایک قرآنی استعارہ ہے۔ "سراج" لغت میں آفتاب یا چراغ کو کہتے ہیں اور منیر اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو روشن کر دے۔

اس طرح ذات مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ایسے چراغ کی مانند ہے، جو ہمہ وقت صرف خود ہی روشن نہیں بلکہ چاروں طرف روشنی بانٹ بھی رہا ہے اور نہ صرف خود نور ہے بلکہ ظلمت کدہ عالم کو بھی بقعہ نور بنا رہا ہے۔

امام فخرالدین رازیؒ لفظ سراج کے استعمال کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال فی حق النبی علیہ السلام سراجا و لم یقل انہ شمس مع انہ اشد اضاءۃ من السراج لفوائد منہا ان الشمس نورھا لا یوخذ منہ شی و السراج یوخذ منہ انوار کثیرۃ

(تفسیر الکبیر، ۲۵:۲۱۷)

آیت مذکورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چراغ فرمایا گیا شمس نہ فرمایا حالانکہ سورج کی روشنی زیادہ ہوتی ہے اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ شمس کا نور اخذ نہیں کیا جا سکتا بخلاف چراغ کے کیونکہ اس سے انوار کثیرہ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں:

فھو السراج الکامل فی الاضاءۃ و لم یوصف بالوھاج کالشمس لان المنیر ھو الذی ینیر من غیر احراق بخلاف الوھاج

(المواہب اللدنیہ، ۳:۱۷۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشنی میں سراج کامل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صفت وہاج (جلانے والا) کے ساتھ متصف نہیں کیا گیا بلکہ منیر فرمایا کیونکہ منیر اسے کہا جاتا ہے جو اشیاء روشن کرے مگر جلائے نہیں بخلاف وہاج کے کیونکہ وہ روشنی کے ساتھ ساتھ حرارت بھی دیتا ہے۔

محدث ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

سراجا لکوننا و منیرا علی وجودنا

(المیلاد النبوی:۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری ہستی کے لئے چراغ ہیں اور بقاء کے لئے منیر ہیں۔

www.MinhajBooks.com

یعنی آپ ﷺ کے نور کی برکت سے کائنات کو ظہور نصیب ہوا اور یہ کائنات اپنی بقاء میں بھی آپ ﷺ ہی کی روشنی کی محتاج ہے۔

چشم ہستی صفت دیدہ اعمیٰ ہوتی
دیدہ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

(باقیات اقبال)

حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے توحید و رسالت کی وہ شمع فروزاں ہوئی جس کے نور سے جہالت اور کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔ جہان تیرہ میں ہر سو اجالا ہو گیا اور دلوں کے ظلمت کدے آپ ﷺ کی نورانیت سے منور ہو گئے۔

نور مصطفوی ﷺ کے بارے میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

مشہور محدث امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔

اذا ارضعته فی المنزل استغنی به من المصباح

جن دنوں میں رسول خدا ﷺ کو دودھ پلایا کرتی ان دنوں مجھے گھر میں چراغ کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

چنانچہ ایک دن مجھ سے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا تم گھر میں رات کو آگ جلائے رکھتی ہو جس سے تمہارے گھر میں روشنی رہتی ہے میں نے جواباً کہا۔

لا واللہ او قد نارا و لکنه نور محمد ﷺ

خدا کی قسم آگ نہیں جلاتی بلکہ یہ روشنی نور مجسم ﷺ کے نور کی ہے۔

(میلاد النبی: ۵۴)

بیہقیٔ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شمائلِ محمدیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ما کنا نحتاج الی السراج یوم

جس دن سے ہم آپ ﷺ کو اپنے گھر

اخذناه لان نور وجهه کان انور من السراج فاذا احتجنا الی السراج فی فکان جئناہ فتنورت الامکنہ ببرکتہ ﷺ

(تفسیر مظہری، ۶:۵۲۸)

لائے اس دن سے ہمیں گھر میں چراغ جلانے کی حاجت نہ رہی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا نور چراغ سے زیادہ منور تھا۔ جب کبھی ہمیں کسی جگہ چراغ کی ضرورت ہوتی ہم آپ ﷺ کو اٹھا کر وہاں لے جاتے آپ ﷺ کی برکت سے تمام جگہ روشن ہو جاتی۔

امام ابن سبع ؒ سے منقول ہے۔

کان النبی ﷺ یضئی البیت المظلم من نورہ

(مطالع المسرات: ۳۹۳)

جس دن آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی برکت سے تمام شہر کی ہر شے روشن ہو گئی۔

نورانیت مصطفوی ﷺ کا ایک اور اعجاز

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

انہا کانت مع رسول اللہ ﷺ علی فراشہ فی لیلہ مظلمہ فسقط من یدھا ابر ۃ الی الارض فکشفت عن وجہ رسول اللہ ﷺ فوجدتھا بنور جبینہ فرفعتھا

(جواہر البحار، ۴:۲۲۶)

ایک اندھیری رات وہ بستر پر تھیں۔ ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر گئی (وہ تلاش کر رہی تھیں) کہ اچانک رسالتمآب ﷺ کے چہرہ مبارک سے نور کی شعاعیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ آپ ﷺ کی پیشانی کے نور کی وجہ سے مجھے گم شدہ سوئی مل گئی۔

ابن عساکر میں روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

فتبینت الابر ۃ من شعاع نور وجہہ ﷺ

(ابن عساکر، ۱:۳۲۵)

آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی چمک کی وجہ سے میں نے سوئی کو پالیا۔

www.MinhajBooks.com

نورِ مجسم کی شانِ تنویر

ایک بار حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں دو صحابی دور دراز کی مسافت طے کر کے حاضر ہوئے۔ انہیں باتوں میں دیر ہو گئی جب انہوں نے حضور ﷺ سے واپس جانے کی رخصت چاہی تو رات ہو گئی تھی۔ تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ان کے پاس ایک عصاء کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ اس شش و پنج میں مبتلا تھے کہ اتنا لمبا سفر ہے اندھیرے میں واپس گھر کیسے پہنچیں گے، حضور ﷺ نے ان کی مشکل کو بھانپ لیا اور از روئے شفقت ان کے عصا کو اپنے دست اقدس میں لے لیا۔ ایسا کرنے کی دیر تھی کہ وہ عصاء مشعل کی طرح چمکنے لگا۔ جس کی روشنی میں وہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان اسید بن حضیر و عباد بن بشر رضی اللہ عنهما تحدثا عند النبی ﷺ فی حاجة لهما حتی ذهب من اللیل ساعة فی لیلة شدیدة الظلمة ثم خرجا من عند رسول اللہ ﷺ ینقلبان و بید کل واحد منهما عصیة فاضاءت عصا احدهما حتی مشیا فی ضوءها حتی اذا افترقت بهما الطریق اضاءت للآخر عصاه فمشی کل واحد منهما فی ضوء عصا حتی بلغ اهله

(مشکوۃ المصابیح: ۵۴۴)

اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں بعض معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیر ہو گئی۔ رات سخت اندھیری تھی جب دونوں گھر کو روانہ ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں جو عصاء تھے ان میں سے ایک کا عصاء روشن ہو گیا جس کی روشنی میں فاصلہ طے کیا۔ حتی کہ وہ مقام آ گیا جہاں ان دونوں نے جدا ہونا تھا۔ جب راستے الگ الگ ہونے لگے تو دوسرے کا عصاء بھی روشن ہو گیا لہٰذا ہر ایک اپنے اپنے عصا کی روشنی سے اپنے اہل و عیال تک پہنچ گیا۔

صاحب شفاء اور زرقانیؒ نے اس موضوع کے تحت درج ذیل حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس میں یہ ذکر آیا ہے کہ:

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان ایک اندھیری رات میں جب کہ بارش ہو رہی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی"

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

و قال انطلق به فانه ليضئ لك من بين يديك عشرا فاذا دخلت بيتك فسترى سوادا فضربه حتى يخرج فانه الشيطان فانطلق فاضاء له العرجون حتى دخل بيته و وجده السواد فضربه حتى خرج

اور فرمایا اس کو لے جاؤ۔ یہ تمہارے لئے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو ایک سانپ دیکھو گے اس کو اتنا مارنا کہ وہ نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ پھر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئے شاخ ان کے لئے روشن ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ اندر جاتے ہی انہوں نے سانپ کو پا لیا اور اتنا مارا کہ وہ نکل گیا۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراج منیر ہونے کے ادنیٰ مظاہر تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات میں سرتاپا پیکرِ نور ہیں اور جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس متوجہ ہوتی ہے' آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیاپاشیوں سے اندھیرے اجالوں میں بدل جاتے ہیں اور عالم تیرہ فام بقعہ نور بن جاتا ہے۔

آیت والنجم میں نور مجسم کا بیان

سورہ النجم میں اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن ستارہ کہہ کر قسم کھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی قسم ہے روشن ستارے کی جب وہ اترا

(النجم ' ۵۳:۱)

یہاں النجم سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات نورانی ہے۔

علامہ آلوسیؒ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

و قال جعفر الصادق رضی اللہ عنہ "النجم" ھو النبی ﷺ و ھویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج

النجم سے ذات مصطفوی ﷺ اور ھوی سے آپ ﷺ کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہے۔

(روح المعانی ' ۲۷:۴۵)

ھوی کا معنی چونکہ نزول کے علاوہ عروج و صعود بھی ہے۔ لہٰذا علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

جوز علی ھذا ان یراد بھویہ صعودہ و عروجہ علیہ الصلوٰۃ و السلام الی منقطع الاین

النجم سے آپ ﷺ کی ذات اقدس اور ھوی سے آپ ﷺ کا لامکاں تک تشریف لے جانا مراد ہے۔

(روح المعانی ' ۲۷:۴۵)

یعنی لفظ ھوی میں آپ ﷺ کے جانے اور آنے دونوں کی قسم اٹھائی گئی ہے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے ذوق کے مطابق امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کے قول پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان ارید بالنجم محمد ﷺ و بھویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج فلاشک ان نزول محمد بعد عروجہ لھدایۃ الخلق نعمۃ جلیلۃ من اللہ تعالیٰ لانظیر لھا

(تفسیر مظہری ' ۹:۱۰۳)

اگر النجم سے آپ ﷺ کی ذات اقدس اور ھویٰ سے آپ ﷺ کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہو (جس طرح امام جعفر رضی اللہ عنہ کا قول ہے) تو اس قسم کے کھانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اتنے عروج کے بعد

ہدایت خلق کے لئے واپس تشریف لانا
اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت جلیلہ ہے جس کی
کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ بھی مروی ہے کہ نجم سے مراد قلب محمد ﷺ ہے۔ (الشفاء ۱: ۲۳)

یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ آیہ کریمہ

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ○ وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ

(الطارق ۸۶: ۱۔ ۳)

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والی کیا چیز ہے۔ ایک چمکتا ہوا تارہ ہے۔

اس میں بھی النجم سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ (الشفاء ۱: ۲۳)

وَ الْفَجْرِ وَ لَیَالٍ عَشْرٍ کی تفسیر میں امام ابن عطا فرماتے ہیں:

الفجر محمد ﷺ لان منہ تفجر الایمان

الفجر سے مراد محمد ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ سے ہی ایمان چشمے پھوٹتے ہیں۔

(الشفاء ۱: ۲۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مختلف انداز میں کبھی تمثیل و تشبیہ سے کبھی رمز و اشارہ سے کبھی کنایہ و مجاز سے اور کبھی صراحت و وضاحت سے حضور ﷺ کے حسن سراپا اور نور مجسم کا ذکر کرتا ہے تاکہ آپ ﷺ کی شخصی عظمت کا پہلو خوب اجاگر ہو۔ اس انداز کو اختیار کر کے قرآ . مجید نے عقلی اور تعلیماتی پہلو کی بجائے جناب رسالتمآب ﷺ کے جمالیاتی پہلو کو خوب نمایاں کیا ہے۔ منشاء و مقصود اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے تذکرے سے اہل ایمان کے دلوں میں حضور ﷺ کے لئے عشق و محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ محبوب کی تقلید و اتباع سے مشام جاں لذت و حلاوت کی چاشنی محسوس کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے

قرآن مجید میں خدائے ارض و سمائے اپنے حبیب ﷺ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِيۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ

(الحجر، ۱۵: ۷۲)

اے محبوب! تمہاری زندگی کی قسم یہ اپنی (طاقت کے) نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں:

قال المفسرون باجمعهم اقسم اللّٰہ هنا بحياة محمد ﷺ تشريفا له

(الاحکام لابن عربی، ۳: ۱۱۳۰)

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ شرف رفیع کے پیش نظر اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔

زبور، تورات، انجیل اور دیگر آسمانی نوشتوں میں کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ پروردگار عالم نے کبھی کسی اور نبی کی پوری زندگی کی یوں قسم کھائی۔ یہ منفرد شرف و فضیلت صرف حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی کو محل قسم قرار دیا جا رہا ہے۔

بے شک یہ عظمت بلا شرکت غیرے حضور ﷺ کے حصے میں آئی ہے۔

اس ضمن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما خلق اللّٰہ و ما ذرا و لا برا نفسا اكرم عليه من محمد و ما سمعت اللّٰہ اقسم بحياة احد غيره

(احکام القرآن لابن عربی، ۳: ۱۱۳۰)

اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور ﷺ سے بڑھ کر اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سوا کسی اور کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

هذا نهاية التعظيم و غاية البر و التشريف — اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کی پوری زندگی کی قسم اٹھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔

(احکام القرآن للقرطبی، ۱۰: ۳۹)

یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ خدا کی ذات اپنے محبوب کی صرف مابعد بعثت زندگی ہی کی قسم نہیں کھاتی بلکہ بعثت سے پہلے اور بعد آپ ﷺ کی جملہ تریسٹھ سالہ زندگی کی قسم کھائی گئی ہے۔

حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا جانا کہ "تیری ساری زندگی کی قسم" درحقیقت آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو ہر عیب سے منزہ قرار دینے کے مترادف ہے۔

مزید فرمایا گیا کہ جو بدبخت آپ ﷺ کو ساحر و مجنوں جیسے نازیبا الفاظ سے پکارتے ہیں خود گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں یہاں واشگاف لفظوں میں یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ آنحضور ﷺ کی ساری زندگی کی طہارت و عصمت اس قابل ہے کہ خود رب ذوالجلال نے اس کی قسم کھائی اس میں اعلان نبوت سے قبل بسر ہونے والی زندگی کی عصمت بھی واضح شہادت میسر آگئی اور ایسا کیوں نہ ہو تاکہ اسی دور حیات کو دعوی رسالت کی حقانیت کے لئے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے مخالفین اسلام کو چیلنج فرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ — پھر میں تو ایک عمر اس سے قبل تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

(یونس، ۱۰: ۱۶)

اعلان رسالت سے قبل حضور ﷺ کی زندگی کھلی کتاب کی طرح کفار و مشرکین کے سامنے تھی زندگی کے ان چالیس برسوں کی ہر ہر ساعت ان میں گزری۔ انہیں واشگاف لفظوں مین متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اگر اس طویل عرصہ میں انہیں کوئی عیب، سقم، نقص، کمزوری اور خامی نظر نہیں آئی تو کیا یہ اس بات کا بین ثبوت نہیں ہے

www.MinhajBooks.com

کہ حضور ﷺ کا پیغام توحید و رسالت حق و راستی پر مبنی ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بلاچون و چرا تسلیم کر لیا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے۔ باری تعالیٰ کا حضور ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھانا بے شک شمائل نبوی کا حصہ ہے جس میں لوگوں کے دلوں اور طبعیتوں کو اس حسن سراپا کی طرف محبت سے مائل ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہی ہمارا موضوع کلام ہے۔

جس شے کو حضور ﷺ سے نسبت ہے وہ بھی اللہ کے ہاں لائق قسم ہے

ذات خداوندی کو اپنے محبوب سے اس قدر محبت ہے کہ ہر وہ چیز جسے حضور ﷺ سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اللہ کے ہاں قدر و منزلت کے باعث لائق قسم ہو جاتی ہے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ اور قسم ہے باپ کی اور اس کی اولاد کی۔ (البلد ۹۰: ۳)

یہاں والد کے لفظ کا اطلاق حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے آباؤ اجداد میں سے کسی بھی پاک صلب پر کیا جا سکتا ہے جس میں نور مصطفوی ﷺ متمکن رہا۔ آیہ کریمہ میں والد کے نام کا ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ہر والد کی نسبت مولود سے ہوتی ہے جب تک اولاد نہ ہو والدیت متحقق نہیں ہوتی اس لئے قرآن مجید نے والد کے ذکر کے فوراً بعد "وَمَا وَلَدَ" کہہ کر اس عظیم المرتبت مولود کی قسم کھائی ہے جس کا تقدس اس کے آباؤ اجداد کے لئے ایسے شرف و اعزاز کا باعث بنا کہ خود پروردگار عالم ان کی بھی قسم کھا رہا ہے اس قسم میں والد کا عموم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فیضان نبوی ﷺ کی نسبت سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک سب آباء لائق قسم ہو گئے ہیں۔

خوش تر آں شہرے کہ آنجا دلبر است

خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس کی

خاک کو حضور ﷺ کے مبارک پاؤں کے تلووں کو چھونے کا شرف حاصل ہوا ارشاد ہوتا ہے۔

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں اور آپ ﷺ اسی شہر میں رہتے ہیں۔ (البلد، ۹۰:۱،۲)

ذات خداوندی شہر محبوب کی قسم اس لئے کھا رہی ہے کہ وہاں اس کے مبارک قدم لگے ہیں۔ جس طرح ہر مکان کی عزت اس کے مکین کے دم سے ہوتی ہے اس طرح شہر مکہ کو یہ عظمت و رفعت اس لئے نصیب ہوئی کہ وہاں حبیب رب دوجہاں ﷺ اقامت پذیر ہوئے۔

امام خازنؒ فرماتے ہیں:

فكانه عظم حرمة مكة من اجل انه مقيم بها پس اللہ تعالٰی نے مکہ کی عزت و حرمت اس لئے بڑھادی ہے کہ اس میں حضور ﷺ مقیم ہیں۔ (تفسیر الخازن، ۷:۲۰۷)

قرآن مجید میں حضور ﷺ کے شہر جاں نواز اور اس کے گلی کوچوں کی قسم کا کھایا جانا کوئی شاعری نہیں جسے مبالغہ آرائی پر محمول کیا جا سکے بلکہ کلام الٰہی ہے اور اسی کی تعلیم قرآن کے ذریعے بندوں کو دی جارہی ہے۔

لَا اُقْسِمُ کے کئی معانی ہیں جو علماء تفسیر نے بیان کئے ہیں انہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

لَا اُقْسِمُ کی پہلی تفسیر

"**لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ**" کا ایک معنی یہ ہے کہ محبوب ﷺ میں قسم نہیں کھاتا مگر اس شہر کی اور صرف اس لئے کھاتا ہوں کہ اس میں تو مقیم ہے اس مفہوم کی بنیاد اس تفسیری اصول پر ہے کہ "لا" زائدہ ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ

اوّلاً قسم کھانے والا، قسم کھانے سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر رہا ہے یعنی اسے کیا ضرورت ہے کہ قسم کھائے تاکہ جب قسم سے مستغنی ہونے کے باوجود وہ قسم

کھائے تو اس قسم کی اہمیت مزید اجاگر ہو جائے اس لئے اس کا فائدہ تاکید قسم کا بھی ہے لہٰذا "لا" زائدہ سے یہ حقیقت مترشح ہو رہی ہے کہ جب باری تعالیٰ قسم نہیں کھایا کرتا اور وہ یقیناً قسم کھانے سے مستغنی بھی ہے اس کے باوجود وہ اس شہر مکہ کی قسم کھا رہا ہے تو لامحالہ کوئی اتنی بڑی بات ضرور ہوگی۔

بادی النظر میں یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح سنگ و خشت سے ہی تعمیر کیا گیا ہے مگر اے محبوب ﷺ تیرے وہاں سکونت اختیار کرنے سے اسے وہ عظمت' تقدس اور محبوبیت نصیب ہو گئی ہے کہ وہ میرے نزدیک بھی قسم کھائے جانے کے لائق ہو گیا ہے۔

متعدد کتب سے ثابت ہے کہ حرم مکہ میں بے شمار انبیا علیہم السلام مدفون ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ انبیاء دور دراز علاقوں سے ہزارہا میلوں کی مسافتیں طے کر کے مکہ میں محض اس لئے آئے ہوں گے کہ ان کا مدفن اس زمین پر بنے جسے نبی آخرالزماں کی جائے ولادت اور مسکن ہونے کا شرف حاصل ہونے والا تھا اور انہیں یہ اطلاع بلاشک وشبہ سابقہ آسمانی کتب اور صحائف سے ملی ہوگی کیونکہ پہلی کتابوں میں حضور ﷺ کی ولادت اور جائے ولادت کے تذکرے موجود تھے۔ ان معروضات سے صرف اسی قدر وضاحت مقصود تھی کہ بے شک شہر مکہ کی عظمت میں کعبہ معظمہ' انبیاء کرام علیہ السلام کے مقدس مقابر' مقام ابراہیم' مطاف' حجر اسود' صفا و مروہ اور آب زمزم وغیرہ سب کو دخل ہے لیکن ان چیزوں نے شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ کی قسم کے لائق نہیں بنایا "لا" کے ذریعے یہی واضح کیا گیا ہے کہ ان تمام نسبتوں کے باوجود میں قسم نہیں کھاتا بلکہ ان سب سے قطع نظر میں اس شہر کی قسم صرف اسی لئے کھا رہا ہوں کہ اے محبوب ﷺ اسے تیرے قدموں سے نسبت ہو گئی ہے جس کے مقابلے میں باقی سب نسبتیں ماند پڑ گئی ہیں گویا یہ سب کچھ مکہ میں موجود سہی مگر میں پھر بھی اس شہر کی قسم نہیں کھاتا بلکہ محض اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ تو یہاں مقیم ہے۔

لَا اُقْسِمُ کی دوسری تفسیر

دوسری تفسیر کی رو سے آیہ مبارکہ میں "لا" استفہام انکاری کا ہے جبکہ واؤ حالیہ ہے بنابریں **لَا اُقْسِمُ** کا مفہوم ہوا کہ "اے محبوب ﷺ میں اس شہر کی قسم نہ کھاؤں حالانکہ تو بھی اس میں مقیم ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس اسلوب کلام میں ایک شان استعجاب پائی جاتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے" کہ تو اس شہر میں مقیم ہو اور میں پھر بھی یہاں کی قسم نہ کھاؤں نہیں نہیں میں تو یہاں کی گرد کے ذرات کی بھی قسم کھاؤں گا۔

لَا اُقْسِمُ کی تیسری تفسیر

"**حل**" اور "**حلول**" میں آزادی سے گھومنے پھرنے کا معنی پایا جاتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ میں اس شہر کی قسم اس وقت کھاتا ہوں جب تو اس کی گلیوں میں خرام ناز کرتا ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

اقسم اللّٰہ سبحانہ بمکہ مقیدا بحلولہ ﷺ اظہارا لمزید فضائلھا

(المظہری، ۱۰: ۲۶۴)

یہ جملہ مقسم بہ کے ساتھ بطور حال واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی قسم حضور ﷺ کے چلنے پھرنے کی حالت اور شرط کے ساتھ کھائی ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید اس شہر دل نواز کی قسم یوں کھاتا ہے۔

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ

اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم

(التین، ۹۵: ۳)

شہر کی بات تو الگ رہی ذات حق ان حجروں کا ذکر بھی کمال شان محبت سے کرتی ہے جن میں اس کا محبوب اقامت پذیر ہے۔ قرآن مجید نے ان ناسمجھ لوگوں کو جو اپنے کام سے آتے اور حضور ﷺ کو حجروں سے باہر آوازیں دے کر آپ ﷺ کے آرام میں مخل ہوتے، آداب بارگہ نبوت سکھانے کے لئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ

بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں

الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (الحجرات ۴۹: ۴)

کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔

حضور ﷺ اخلاق حسنہ کے جس مقام پر تھے اس کے باعث آپ ﷺ ان لوگوں سے بھی درگزر، تحمل اور بردباری سے پیش آتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ طرز عمل جو اس کے حبیب ﷺ کے لئے سوئے ادب اور بے آرامی کا باعث تھا کب گوارا ہو سکتا تھا لہٰذا واشگاف الفاظ میں تنبیہہ کر دی گئی۔

قرآن میں کسی مقام پر حضور ﷺ کو محض نام لے کر نہیں پکارا گیا

یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی مقام پر آنحضور ﷺ کو نام لے کر نہیں پکارا گیا جب کہ دوسرے انبیاء علیھم السلام کو ان کے ناموں سے پکار جاتا رہا مثلاً

۱۔ يَآدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (البقرہ ۲: ۳۳)

اے آدم! اب تم انہیں ان (چیزوں) کے نام بتلاؤ۔

۲۔ يَانُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا (ہود ۱۱: ۴۸)

اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اترو۔

۳۔ يَازَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ (مریم ۱۹: ۷)

اے زکریا! ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

۴۔ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (مریم ۱۹: ۱۲)

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

۵۔ يَا مُوْسٰى اِنِّيْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِيْ وَ بِكَلَامِيْ (الاعراف ۷: ۱۴۴)

اے موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں میں اپنی پیغامبری اور ہم کلامی سے امتیاز بخشا۔

۶۔ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (آل عمران ۳: ۵۵)

اے عیسیٰ! میں تم کو پوری عمر تک پہنچاؤں گا۔

www.MinhajBooks.com

لیکن حضور ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے باری تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کو محبتا اور تشریفا القابات اور خطابات سے یاد فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کو کہیں یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہہ کر پکارا کہیں یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر کہیں طٰہٰ اور کہیں یٰسٓ جیسے پیار بھرے شیریں الفاظ میں خطاب فرمایا مثلاً

۱۔ یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (المزمل، ۷۳:۱۔۲)	اے کپڑے میں لپٹنے والے (محبوب)
۲۔ یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر، ۷۴:۱۔۲)	اے کپڑے میں لپٹنے والے (حبیب) اٹھئے لوگوں کو خدا کا خوف دلایئے۔
۳۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی (طٰہٰ، ۲۰:۱۔۲)	طٰہٰ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لئے تو نہیں اتارا کہ آپ محنت شاقہ میں پڑ جائیں۔
۴۔ یٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (یٰسٓ، ۳۶:۱۔۲)	یٰسٓ قسم ہے اس قرآن حکیم کی۔ بے شک آپ ﷺ (اللہ کے) برگزیدہ رسولوں میں سے ہیں۔

ان خطابات میں کتنی مٹھاس اور محبت کی حلاوت ہے ان میں یہ تعلیم بھی ہے کہ افراد امت اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب خدا کی ذات خالق ہو کر اپنے حبیب ﷺ کو خالی نام سے بلانا گوارا نہیں کرتی تو ان کے لئے بدرجہ اتم لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس بارگاہ جہاں پناہ میں کبھی بھی ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے پائیں اور اس بارگاہ عالی مرتبت میں ان کا سر ہمیشہ تعظیم سے جھکا رہے اسی لئے قرآن میں باقاعدہ حکم دیا گیا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط (النور، ۲۴:۶۳)	تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (ہرگز) نہ سمجھنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

مگر یہ کیفیت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب حضور ﷺ کی ذات ستودہ سے والہانہ محبت اور عشق کمال درجے کا ہو اور یہ مقصود بیان شمائل سے حاصل ہوتا ہے۔

چہرہ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم

قرآن کے صفحات حضور ﷺ کے جسد اطہر کے اعضاء مبارکہ یعنی چہرہ انور، گیسوئے مبارک اور چشمان مقدس کے ذکر تک سے معمور ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالضُّحٰیۙ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰیۙ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰیؕ

(الضحیٰ، ۹۳:۱۔ ۳)

قسم ہے دن چڑھے (یعنی عروج سرکار دو عالم کی) اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے نہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کو چھوڑا نہ آپ سے ناراض ہوا۔

یہاں تشبیہ کے پیرائے میں چاشت کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ زیبا کا ذکر والضحیٰ کہہ کر اور آپ ﷺ کے شانوں کو سیاہ رات کی طرح چھائی ہوئی زلفوں کا ذکر **واللیل** کہہ کر کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ اسی آیت کے تحت اکابر مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔

بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت پیغبر است و مراد از لیل شب معراج است وبعض گویند کہ مراد از ضحیٰ روئے پیغمبر است واز لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور علمی است کہ آنجناب را دادہ بودند و سبب آں پردہ نشیناں عالم غیب متجلی و منکشف گشتند و مراد از شب خلق عفو است کہ عیوب امت پوشیدہ و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت ﷺ است یعنی احوال ظاہرہ آنجناب ﷺ است کہ خلق براں مطلع شد و مراد از شب سر آنجناب یعنی احوال باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسے براں مطلع نیست

(تفسیر عزیزی، عم، ۲۱۷)

www.MinhajBooks.com

بعض مفسرین نے کہا کہ ضحیٰ سے حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن اور لیل سے شب معراج مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ ضحیٰ سے آپ ﷺ کا رخ زیبا اور لیل سے زلف عنبریں مراد ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ ضحیٰ سے مراد وہ نور علم ہے جس کے سبب سے عالم غیب کے مخفی اسرار و رموز بے نقاب ہوئے اور لیل سے مراد آپ ﷺ کا عفو و درگزر ہے جس نے امت کے عیبوں کو چھپا رکھا ہے بعض بزرگوں کا ارشاد یہ ہے کہ ضحیٰ سے حضور ﷺ کے ظاہری احوال مراد ہین جن سے مخلوق آگاہ ہے اور لیل سے مراد آپ ﷺ کے احوال باطن ہیں جن کو سوائے اللہ رب العزت کے کوئی نہیں جانتا۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ حضور ﷺ کے روشن چہرے کی قسم والضحیٰ کہہ کر چاشت کے وقت کی نسبت سے کیوں کھائی گئی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ وقت گو سب سے زیادہ روشن ہوتا ہے لیکن اس میں تپش کی شدت اور حرارت کی حدت زیادہ نہیں ہوتی۔ گویا والضحیٰ کی نسبت سے حضور ﷺ کا چہرہ انور سراج منیر کی طرح روشن ہے لیکن مشتاقان جمال کے لئے حدت کی بجائے راحت اور سکون جان کا باعث ہے اور باوجود اس کے کہ چہرہ اقدس کی روشنی عین شباب پر ہے آنکھیں نہیں چندھیائیں بلکہ اس مرقع حسن و نور پر نظریں جمائے رکھنے کو جی چاہتا ہے۔

قسم کا پس منظر

یہاں ایک سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ خدائے ذوالجلال کو اپنے حبیب ﷺ کے رخ تاباں اور گیسوئے سیاہ کی قسم کھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کا جواب سورۂ مبارکہ کے شان نزول پر غور کرنے سے مل جاتا ہے کچھ دنوں تک حضور ﷺ پر سلسلہ وحی الوہی حکمت کے باعث منقطع رہا اس پر بعض بدبخت دشمنان اسلام نے زبان طعن درازی کی اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کا خدا (نعوذ باللہ) اس سے روٹھ گیا ہے اس قسم کی طعن آمیز باتیں جب حضور ﷺ تک پہنچیں تو طبیعت میں کچھ ملال سے آثار بتقاضائے بشریت پیدا ہوئے۔

www.MinhajBooks.com

امر واقعہ یہ ہے کہ ایسی کوئی بات آپ ﷺ کے گمان و خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی لیکن مخالفین کی بداندیشیوں، چہ میگوئیوں اور طعنوں کے اثر سے آپ ﷺ کے احساسات کا مجروح ہونا تقاضائے فطرت تھا۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی اور تسکین خاطر کے لئے یہ محبت بھرا پیغام بصورت وحی بھیجا تاکہ کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائیوں سے طبع مبارک میں حزن و ملال کی جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے اسے دور کیا جا سکے۔

اغیار کی طعنہ زنی اور ہرزہ سرائی سے خدا کی غیرت محبت جوش میں آگئی اور اس نے اپنے حبیب ﷺ کے چہرہ پاک اور زلفان مقدس کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اے محبوب ﷺ! تجھے چھوڑنے اور تجھ سے روٹھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو تیرے رخ تاباں اور گیسوئے عنبریں تک کی قسم کھاتا ہوں کبھی اس قدر پیار کرنے والا بھی اپنے محبوب سے ناراض ہو سکتا ہے ان مٹھاس بھرے کلمات محبت نے دشمنوں کو شرمسار کر دیا اور حضور ﷺ کے قلب اطہر کو تسلی عطا کر دی۔

حضور ﷺ کی چشمان مقدس کا بیان

کلام ربانی میں آقائے دوجہاں ﷺ کی ان مبارک آنکھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے حوصلے، اعتماد، ہمت اور عزم و یقین کے باعث اس ارشاد ربانی کا مصداق ٹھہریں۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی — یہ جھپکی نہ حد سے بڑھی۔

(النجم، ۵۳: ۱۷)

آپ ﷺ کی بصارت اس درجہ طاقت و وسعت کی حامل تھی کہ شب معراج مشاہدہ حق کے وقت اس میں نہ صرف اضمحلال واقع نہ ہوا بلکہ وہ کمال ہوش کے ساتھ مشاہدہ جمال میں محو ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ التستری ؒ اسی مشاہدہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

لم یرجع رسول اللّٰہ ﷺ الی — آپ ﷺ اپنے رب کے مشاہدہ میں

شاهد نفسه و الی مشاهدتها و انما کان مشاهدا ربه تعالٰی بشاهد مایظهر علیه من الصفات التی اوجبت الثبوت فی ذالک المحل

(روح المعانی، ۲۷: ۵۴)

اس طرح مستغرق ہوئے کہ سوائے ذات باری اور صفاتِ الٰہیہ کے کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

اس کے بر عکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تجلی الٰہی کی ایک جھلک بھی برداشت نہ کر سکے اور صفاتی تجلی کی انعکاسی شعاع کے اثر سے آپ علیہ السلام کا خرمن ہوش جل گیا۔

کسی صاحب نظر نے بصارت مصطفوی ﷺ کا بصارت موسیٰ علیہ السلام سے کیا خوبصورت موازنہ کیا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

قرآن آگے چل کر روئیت آیات الٰہیہ کے باب میں حضور ﷺ کے کمال بصارت کا ذکر بایں الفاظ کرتا ہے۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ٥

(النجم، ۵۳: ۱۸)

بے شک آپ ﷺ نے اپنے رب کی بے شمار نشانیاں دیکھیں۔

قلب مصطفوی ﷺ اور قرآن

حضور ﷺ کے کمال بصارت کے ذکر کے بعد قرآن آپ ﷺ کے قلب انور کا ذکر بھی کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی

(النجم، ۵۳: ۱۱)

جو (رسول نے) دیکھا قلب نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔

تدریجاً نزول قرآن کی حکمت

قرآن مجید کا حضور ﷺ پر یکبارگی نازل نہ ہونا بلکہ ۲۳ سالہ دور بعثت میں

جبرائیل امین علیہ السلام کی وساطت سے رفتہ رفتہ بالعموم تین یا چار آیات کی صورت میں قلب مصطفوی ﷺ پر نازل ہوتے رہنا اپنے اندر کئی حکمتیں رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک اہم حکمت حضور ﷺ کی دلجوئی بھی ہے۔

ارشاد ایزدی ہے۔

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان، ۲۵: ۳۲)

تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا۔

قرآن اگر ایک ہی نشست میں یکبارگی نازل کر دیا جاتا تو لامحالہ باری تعالیٰ کا اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ پیغام رسانی کا باقاعدہ سلسلہ جو ۲۳ سالوں پر محیط ہے چند ہی لمحات میں مکمل ہو کر ختم ہو جاتا۔ قرآن کو تدریجی مراحل میں حسب ضرورت رسول ﷺ پر نازل کیے جانے کی سب سے بڑی حکمت یہی تھی کہ اس طرح خالق کا اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ پیغام رسانی کا تعلق تسلسل کے ساتھ جاری رہے اور محبوب سے ہم کلامی کا یہ تعلق، حضور ﷺ کے سکون قلب کا باعث ہو۔

"تاکہ ہم آپ ﷺ کے دل کو مضبوطی عطا کریں" سے پیغام حق کے تدریجی نزول کی یہی حکمت مستفاد ہے کہ یہ عمل ہمیشہ نبی اکرم ﷺ کے قلب انور کی تقویت کا موجب رہے اس حکمت میں بھی غلبہ نگاہ محبت کا ہی دکھائی دیتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا گیا۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ، ۲: ۹۷)

کیونکہ اس نے تو یہ کلام آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے۔

یہاں بھی نزول قرآن کے بارے میں حضور ﷺ کے قلب انور کو ہی مورد سخن بنایا گیا ہے۔

قوت قلب نبوی ﷺ اور قرآن

آپ ﷺ کے قلب اطہر کو اللہ رب العزت نے وہ حوصلہ، قوت اور

استقامت عطا فرمائی تھی کہ سخت نامساعد اور کٹھن حالات میں بھی آپ ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آتی تھی۔ گویا آپ ﷺ کے عزم و ہمت کا وہ کوہ گراں تھے جسے حوادث زمانہ کی کوئی باد صرصر راہ عزیمت سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ق۔ قسم ہے قرآن مجید کی۔

(ق، ۵۰:۱)

ق، حروف مقطعات میں سے ہے جن کے بارے میں حتمیت و قطعیت کے ساتھ سوائے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے کوئی آگاہ نہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات دو دوست اپنی گفتگو یا سلسلہ مراسلت میں بعض الفاظ اور اشارات ایسے بھی استعمال کر جاتے ہیں جنہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اس طرح قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر ایسے حروف اور الفاظ آئے ہیں جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے بعض علماء وعرفاء نے اپنی اپنی بساط کے مطابق معارف و علوم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حروف مقطعات کے معانی جاننے کی کوشش کی ہے تاہم حتمیت و قطعیت کے ساتھ ان کے مفاہیم تک رسائی غیر رسول کے بس کی بات نہیں۔

قاضی عیاضؒ آیت مذکورہ سے پہلے حرف "ق" کی شرح و تفسیر "الشفاء" میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں "ق" سے مراد آنحضرت ﷺ کا قلب اطہر ہے جس پر قرآن نازل ہوا اور جو اپنی قوت و استقامت کے اعتبار سے بھی زیادہ مستحکم تھا جب یہ بار امانت پہاڑوں اور سمندروں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تو آنحضور ﷺ کا قلب انور ہی تھا جسے بارگاہ صمدیت سے اس قدر قوت اور طاقت عطا ہوئی تھی کہ تیئس سالہ مبارک زندگی کے دوران اس پر قرآن اتارا جاتا رہا لیکن کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا بلکہ اس قرآن کی بدولت اسے بے پایاں قوت اور طمانیت کا خزینہ بنا دیا گیا۔

علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں۔

قال ابن عطا اقسم بقوة قلب حبيبه ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

www.MinhajBooks.com

حیث تحمل الخطاب و المشاہدہ و لم یو ثر ذلک فیہ لعلو حالہ

(روح البیان ۹:۱۰۰)

اپنے حبیب ﷺ کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے جو عین حق کا مشاہدہ اور شرف تکلم حاصل کرنے کے باوجود غشی وغیرہ سے محفوظ رہا۔

ربّ العزت کو اپنے محبوب کی مشقت گوارا نہیں (خواہ وہ عبادت میں ہی کیوں نہ ہو)

حضرت امام ضحاک رضی اللہ عنہ اور مقاتل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول قرآن کے اولین دور میں آپ ﷺ ساری ساری رات تلاوت و نماز میں کھڑے کھڑے گزار دیتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ کفار نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ قرآن فقط محمد ﷺ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نازل کیا گیا ہے روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

فلما نزل القران علی النبی ﷺ قام ہو و اصحابہ فصلوا فقال کفار قریش ما انزل اللہ ہذا القران علی محمد الا لیشقی

(القرطبی ۱۱:۱۶۷)

قرآن کے نزول کے بعد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے غلام قیام لیل کی صورت میں تلاوت کرتے تو کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ قرآن ان کو مشقت میں ڈالنے کے لئے ہے۔

اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

طٰهٰ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى (طٰہٰ، ۲۰: ۱،۲)

طٰہٰ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ محنت شاقہ میں پڑ جائیں

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الطاء افتتاح اسمہ طاہر و طیب و الہاء افتتاح اسمہ ہادی

(القرطبی ۱۱:۱۶۶)

اللہ پاک نے اس طعن کا جواب دینے کے لئے آپ ﷺ کے اسماء طاہر وطیب اور ہادی سے افتتاح فرمایا۔

www.MinhajBooks.com

بعض علماء نے طٰہٰ کا معنی ان الفاظ میں کیا ہے۔

کانہ یقول لنبیہ علیہ الصلوٰۃ و السلام یا طاھرا من الذنوب یا ھادی الخلق الی علام الغیوب

(ایضاً)

گویا اللہ اپنے نبی سے فرماتا ہے۔ اے گناہوں سے پاک اور تمام مخلوق کے رہنما' یہ قرآن آپ ﷺ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نازل نہیں کیا گیا۔

قرآن اور شرح صدر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے تمام مشقتوں کے بوجھ ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ کو شرح صدر کی دولت عنایت فرمائی' ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ○ وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ○ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ○

(الانشراح' ۹۴:۱)

کیا ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے سینہ (اقدس) کو کشادہ نہیں کر دیا' اور ہم نے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپکی پیٹھ کو بوجھل کر دیا تھا۔

لفظ شرح کی تحقیق کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

شرح الصدر ای بسطہ بنور الھی و سکینہ من جھۃ اللہ و روح منہ

(المفردات' ۲۵۸)

سینے کا نور باری کے جلووں سے سکون پانا اور دل میں فرحت و راحت کا پیدا ہو جانا شرح صدر کہلاتا ہے۔

علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

و قد یراد بہ تائید النفس بقوۃ قدسیہ و انوار الھیہ بحیث تکون میدانا لمواکب المعلومات و سماء لکواکب الملکات و عرشا لانواع التجلیات و فرشا لسوانم الواردات فلایشغلہ شان عن شان و یستوی

شرح صدر سے یہ مراد ہو گا کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہی سے اس طرح مزین کر دیا جائے کہ وہ خزائن معلومات کے لئے میدان' ملکات اور استعدادوں کے لئے آسمان اور تجلیات کے لئے عرش بن جائے جب کسی کے سینے کو یہ

www.MinhajBooks.com

لديه يكون و كائن و كان
(روح المعانی، ۳۰:۱۹۱)

حالت نصیب ہو جاتی ہے تو اس کی دلی کیفیات کو بدلا نہیں جا سکتا اس کے نزدیک مستقبل حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں استفہام تقریری ہے کیونکہ یہاں (ا، ہمزہ) انکاری ہے اور لم کلمہ نفی۔ جب حرف انکار کلمہ نفی پر وارد ہو تو یہ نفی کی نفی پر دلالت کرتا ہے جس کا نتیجہ اثبات اور تقریر ہے ار لئے اسے استفہام تقریری قرار دیا جائے گا۔ جس میں تسلیم و اعتراف کا معنی پایا جاتا ہے اور اظہار مقصود میں اس اعتبار سے **اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ** (کیا ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ کھول نہیں دیا) کا مفہوم یہ ہو گا کہ بے شک ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ کھول دیا ہے۔

اس اصول کو سمجھنے کے لئے سورۂ فیل کا حوالہ دینا خالی از حکمت نہ ہو گا جس میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ
(الفیل، ۱۰۵:۱)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

وہ واقعہ جو آنحضور ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پچاس دن قبل پیش آیا تھا کے متعلق آیہ کریمہ میں آپ ﷺ سے دریافت کیا جارہا ہے کہ "اے محبوب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا" یہاں بھی اسلوب کلام استفہام تقریری پر مبنی ہے جس کا مفہوم اور مفاد یہ ہے کہ بے شک تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

استفہامیہ انداز اختیار کرنے کی حکمت

یہی بات محض مثبت انداز میں بھی کی جا سکتی تھی لیکن اسے استفہامی انداز میں بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس کا جواب اثبات کی صورت میں محبوب کی پیاری

پیاری زبان سے خود سنا جائے کیونکہ سوال لازماً جواب کو مستلزم ہوتا ہے باوجود اس کے کہ استفہام تقریری میں استفہام حقیقی نہیں ہوتا۔ محض لفظی صورت سوالیہ ہوتی ہے یہ ایک معروف اسلوب کلام ہے لہذا جب یہ سوال کیا گیا کہ

"کیا تو نے نہیں دیکھا۔ تو گویا قلب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان حال سے جواب دیا" "جی ہاں میرے رب میں نے سب کچھ دیکھ اور جان لیا" اسی طرح آیہ مذکورہ میں اَلَمْ نَشْرَحْ کا جواب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوانا مقصود ہے کہ وہ جواباً اس بات کا تشکر آمیز اظہار کرے کہ "ہاں میرے رب تو نے کمال شفقت و محبت سے میرا سینہ اپنے اسرار و رموز سربستہ کے لئے کھول دیا ہے" یہ اسلوب گفتار جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب مقصود یہ ہو کہ جس سے سوال پوچھا جا رہا ہو وہ خود اس کا جواب اثبات میں دے یہ انداز باہمی انس و محبت اور اپنائیت پر دلالت کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نوعیت کا مخاطبہ الٰہی، محب کی محبوب سے محبت کا آئینہ دار ہے۔

سورہ الانشراح میں لک کی معنوی اہمیت

سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اَلَمْ نَشْرَحْ کے بعد لک کا اضافہ نہ بھی کیا جاتا تب بھی جملہ مکمل رہتا اور اس کے مفہوم میں کوئی تشنگی باقی نہ رہتی۔ لیکن لک کے اضافہ سے اس کے معنی میں یک گونہ وسعت پیدا ہو گئی ہے جس سے آیت کے مفہوم میں مزید محبت اور وابستگی کا عنصر در آیا ہے اور اس کی شرح یوں ہو گی کہ "اے محبوب ہم نے تیرا سینہ تیری خاطر کھول دیا ہے" تیری خاطر کے الفاظ زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تیری خاطر اس لئے کھولا ہے تاکہ تو راضی ہو جائے کیونکہ تیری رضا ہمیں ہر شے سے مقدم ہے۔

انشراح صدر کے ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اطہر کے کھولنے میں کونسا مقصد کار فرما تھا اور وہ سینہ کس حد تک کھولا گیا چونکہ آیہ کریمہ مین انشراح صدر کے مقصد اور وسعت کے تعین کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔

اس عدم تعین کی بنیاد پر اس کا مفہوم کچھ یوں ہو گیا کہ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ ﷺ کا سینہ اس قدر کھول دیا کہ ارض و سماء کی ساری وسعتیں اس میں سما گئی ہیں، آپ ﷺ کے سینہ اقدس کی وسعت کا اندازہ انسانی عقل و خرد کہاں کر سکتی ہے اور یہ کہ ہم نے آپ ﷺ کے سینے میں ان تمام اسرار و رموز کے خزانے سمو دیئے ہیں جن کی حقیقت تک رسائی کسی فرد بشر کے لئے ممکن نہیں۔ لفظ لک سے شرح صدر کی حکمت بھی واضح کر دی گئی ہے۔ اس سے ہماری غرض محض آپ ﷺ کے دکھوں کا مداوا اور آپ ﷺ کے دل اقدس کو سکون و اطمینان عطا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

کلمہ لک کے اضافے کی دو اور مثالیں

قرآن مجید میں حضور ﷺ کے رفع ذکر کا بیان بھی اسی انداز میں کیا گیا ہے۔

وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کیا۔

(الانشراح، ۹۴:۴)

یہاں بھی ظاہر میں مقصود کلام حضور ﷺ کے ذکر کے بلند کئے جانے کا بیان ہے مگر یوں فرمایا "محبوب ہم نے تیرا ذکر تیری خاطر بلند کیا ہے" گویا رب کریم شان صمدیت کا حامل ہو کر بھی تیری خاطر اگر کوئی کام کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کا مقصود تیری رضا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

دوسرے مقام پر حضور اکرم ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دیتے ہوئے خدائے قدیر و علیم نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (اے رسول) بے شک ہم نے آپ کو شاندار فتح دی۔

(سورہ الفتح، ۴۸:۱)

اس آیہ کریمہ میں بھی اگر لک کا اضافہ نہ ہوتا تب بھی اس کے معنی و مفہوم میں کوئی فرق نہ پڑتا لیکن لَکَ کے اضافے سے محبت کی جو چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔ اس

www.MinhajBooks.com

سے اس آیت کا معنی کچھ یوں قرار پائے گا۔

''کہ محبوب ہم نے تیری خاطر فتح کے سارے راستے کھول دیئے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب عالم شرق و غرب میں تیری امت پر فتح و نصرت کے سب باب کھل جائیں گے۔ اور تمام دنیا غلبہ حق کے قیام سے اسلام کے زیر نگین آ جائے گی۔ یہ مژدہ جاں فزا ہم تجھے اس لئے سنا رہے ہیں کہ تو خوش ہو جائے۔

اہل ایمان کا سینہ کھولنے کی حقیقت

اپنے محبوب ﷺ کے فیضان رحمت کے طفیل رب العزت اپنے مقبول بندوں کا سینہ بھی اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ
(الزمر، ۳۹:۲۲)

بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کشادہ کر دیا ہو وہ تو اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

ارشاد خداوندی کی رو سے جس بندہ مومن کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا جاتا ہے اسے نور پر فائز کر دیا جاتا ہے چنانچہ نور ربانی سے جب اس کے باطن کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں تو اس کا سینہ ایمانی تجلیات کا مصدر و مہبط بن جاتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں اس نور کا تذکرہ یوں ہوا ہے۔

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ
(الترمذی، ۲:۱۴۵)

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے عطا کردہ نور سے دیکھتا ہے۔

اس کی شرح میں حضرت شیخ روزبہان بقلیؒ اپنی تفسیر عرائس البیان میں یوں رقمطراز ہیں۔

یرون الحق بنورہٖ و یرون ما دون الحق من العرش الیٰ تحت الثری بنورہٖ
(عرائس البیان)

مومن باری تعالیٰ کے عطا کردہ نور کے ذریعے حق تعالیٰ کا صفاتی مشاہدہ کرتا ہے اور عرش سے لے کر **تحت الثری** تک تمام اشیاء کا مشاہدہ بھی اسی نور سے کرتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

بندے کا اللہ کی طرف سے نور کے مرتبے پر فائز کیے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے قرب وبعد اور نزدیکی و دوری کے سارے امتیازات ختم کردیئے جاتے ہیں سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں جس سے عرش سے لے کر تحت الثری تک ہر چیز اس پر آشکار ہو جاتی ہے جس سمت نگاہ دوڑاتا ہے خدا کے عطا کردہ نور بصیرت سے حقائق کو دیکھ لیتا ہے یہ مقام خواجہ کونین ﷺ کی حلقہ بگوشی میں آنے والے ایک بندہ مومن کا ہے تو خود سرور دوجہاں ﷺ کے مقام مشاہدہ کی بلندی اور رفعت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

حضور ﷺ کے قلب مبارک کی رقت اور نرمی کا بیان

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رقت قلبی اور انتہائی مشفق و رحیم طبیعت آپ ﷺ کی سیرت پاک کا جزو لاینفک تھی اس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

اور اگر (کہیں) آپ تند خو (اور) سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ (آل عمران، ۳، ۱۵۹)

رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے گرد جو پروانوں کا ہجوم ہے اس کا سبب آپ ﷺ کے دل کا انتہائی نرم اور شفیق ہونا ہے اگر آپ ﷺ دل کے سخت' تند خو اور درشت مزاج ہوتے تو جانثاروں کا یہ جھرمٹ کب کا چھٹ چکا ہوتا۔

حضور ﷺ کے جان نثار صحابہؓ بقول غالب

"وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے"

کی جیتی جاگتی تصویر تھے ان کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب غار ثور میں حضور ﷺ کا سر انور اپنی گود میں لئے بیٹھے تھے کہ سانپ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے محبوب ﷺ کے آرام میں خلل تک نہ آنے دیا۔

www.MinhajBooks.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر جو ہجرت کی رات مقتل سے کم نہ تھا لیٹ گئے تاکہ کفار کی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی طرف نہ جائے اور وہ حملہ کریں بھی تو جان علی پر کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان گنت غلام اور جانثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ ابرو پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دینا عین ایمان اور سرمایہ حیات سمجھتے تھے جاں نثاری وجاں سپاری کا یہ جذبہ ان میں کہاں سے آگیا تھا۔

فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

ذکر مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت اور قرآن

خالق کائنات نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے اس خاکدان عالم میں بلند کئے جانے کا بیان قرآن مجید میں کمال شان محبت سے کیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ (الانشراح، ۹۴:۴)

اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کیا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکروں میں کمی کی بجائے مسلسل اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ اگرچہ معاندین حق اور دشمنان اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رفعت کو کم کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا نقش دلوں سے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں مگر

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اتانی جبرئیل فقال ان ربی و ربک یقول کیف رفعت ذکرک قلت اللّٰہ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی (ابن کثیر، ۴:۵۲۴)

میرے پاس جبریل امین آئے اور آکر کہا کہ رب کریم سلام فرماتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتایئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ میں

www.MinhajBooks.com

نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے حبیب ﷺ رفعت ذکر یہ ہے) جب بھی میرا ذکر ہو گا آپ ﷺ کا ذکر بھی ہو گا۔

جب تک کائنات باقی ہے میرا اور میرے حبیب ﷺ کا ذکر پہلو بہ پہلو جاری رہے گا۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

لا اذکر الا ذکرت معی (ایضا)

جب میرا ذکر کیا جائے گا تو اس کے ساتھ تمہارا ذکر لازما کیا جائے گا۔

یہ ارشاد باری ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔

جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی

(الشفاء، ۱:۲۴)

تیرے ذکر کے بغیر میرا ذکر متصور ہی نہیں۔

امام رازی رفعت ذکر کی صورتوں میں سے ایک صورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

القراء یحفظون الفاظ منشورک والمفسرون یفسرون معانی فرقانک و الوعاظ یبلغون وعظک بل العلماء و السلاطین یصلون الی خدمتک و یسلمون من وراء الباب علیک و یمسحون وجوھھم بتراب روضتک و یرجون شفاعتک فشرفک باق الی یوم القیامہ

(تفسیر کبیر، ۳۲:۵، ۶)

قراء آپ ﷺ کے منشور کے الفاظ کی حفاظت کریں گے مفسرین قرآن کے معانی واضح کریں گے مبلغین آپ ﷺ کی تبلیغ کے امین ہوں گے بلکہ تمام علماء وسلاطین آپ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں درود عرض کریں گے اور آپ ﷺ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر سلام عرض کریں گے اور آپ ﷺ کے روضہ اقدس کی مبارک خاک کو آنکھوں کا

www.MinhajBooks.com

سرمہ بنائیں گے اور آپ ﷺ کی
شفاعت کے امید وار ہوں گے۔ اسی
طرح آپ ﷺ کا یہ شرف قیامت
تک رہے گا۔

لہٰذا وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا یہ اعلان اہل ایمان سے اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ کثرت وتواتر کے ساتھ شب وروز حضور ﷺ کی ذات والا صفات کا ذکر کیا کریں آپ ﷺ کے فضائل وشمائل کے تذکرے کریں۔ آپ ﷺ کی سیرت وصورت کو بیان کریں آپ ﷺ کی یاد سے اپنے لیل ونہار کو آباد کریں یہ سب کچھ علم وتحقیق کی طرز پر بھی ہو اور محبت ودلبستگی کے رنگ میں بھی۔ کیونکہ دونوں طریقے سنت الٰہیہ ہیں۔

پہلے اسلوب سے مضمونِ علم رقم ہوتا ہے اور دوسرے اسلوب سے مضمون عشق۔ پہلے اسلوب سے دماغوں کو تازگی ملتی ہے اور دوسرے سے دلوں کو زندگی۔ پہلے اسلوب سے ذہنوں میں چراغ عقل روشن ہوتے ہیں اور دوسرے سے دلوں میں چراغ محبت۔ پہلے اسلوب سے عمل کو جلا ملتی ہے اور دوسرے سے ایمان کو غذا۔ پہلے اسلوب سے اسلام کو فرزانے نصیب ہوتے ہیں اور دوسرے سے دیوانے۔

جب تک انداز تعلیم وتبلیغ کے ساتھ ساتھ عشق ومحبت کا عنصر شامل نہ ہو بات نامکمل بے کیف اور بے تاثیر رہتی ہے۔

رضائے حبیب ﷺ اور قرآن

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى
(الضحیٰ، ۹۳:۵)

اور عنقریب آپ ﷺ کو آپ کا رب وہ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

آیت مذکورہ میں تمام کائنات کے خالق ومالک نے آپ ﷺ کی رضا کو جو

مقام بخشا ہے اور آپ ﷺ کو جس شان کریمانہ کے ساتھ نوازا ہے وہ ناقابل بیان ہے تاہم چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہجرت مدینہ کے بعد کچھ عرصہ تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس رہا تاہم آپ ﷺ کی تمنا تھی کہ قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ اللہ قرار پائے۔ باری تعالٰی نے قبلہ کی تبدیلی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(البقرہ، ۲:۱۴۴)

بس بے شک ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ اب اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیجئے۔

غور کیجئے کہ تبدیلی قبلہ کے ساتھ ساتھ کتنے واضح انداز میں فرمایا کہ ہم تاقیامت اسی قبلہ کو متعین کر دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو پسند ہے۔

حضرت امام محمد بن حنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

اشفع لامتی حتی ینادی ربی ارضیت یا محمد فاقول نعم یا رب رضیت

(روح المعانی، ۳۰، ۱۸۵)

(قیامت کے دن) میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا دے کر فرمائے گا۔ یا محمد ﷺ کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں عرض کروں گا یا اللہ میں راضی ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت کی جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ابراہیم، ۱۴:۳۶)

بس جس نے میری اتباع کی تو وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
(المائدہ، ۵ : ۱۱۸)

(اے اللہ) اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف کردے تو تو زبردست حکمت والا ہے۔

ان کی تلاوت کے بعد آقائے دو عالم ﷺ کی کیفیت یہ تھی۔

فرفع علیہ یدیہ و قال اللھم امتی امتی و بکی
(روح المعانی، ۱۵:۱۸۵)

دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے اور بار بار زبان اقدس سے امت کی فریاد رسی کی دعا کرتے رہے بالآخر زار و قطار رو پڑے۔

اس پر رحمت باری جوش میں آگئی اور جبریل سے فرمایا:

اذھب الی محمد ﷺ و قل لہ انا سنرضیک فی امتک
(روح المعانی، ۱۵:۱۸۵)

ہمارے محمد ﷺ کے پاس جا اور ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم آپ ﷺ کو امت کے معاملے میں (ضرور) راضی کریں گے۔

غلامان مصطفوی ﷺ کے لئے سب سے امید افزا آیت

آیت مذکورہ امت مسلمہ کے لئے مژدہ جانفزا بھی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علماء عراق کو مخاطب ہو کر فرمایا:

انکم تقولون ان ارجی آیہ فی کتاب اللہ تعالٰی قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ قالوا انا نقول ذالک
(قرطبی، ۱۰ : ۹۶)

کیا تم قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کو سب سے زیادہ امید افزاء تصور کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہاں ہم اسی کو سمجھتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لکنا اھل البیت نقول ان آیہ فی کتاب

لیکن ہم اہل بیت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ

www.MinhajBooks.com

اللّٰہ تعالٰی قولہٖ تعالٰی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (القرطبی ' ١٠:٩٦)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى سے بڑھ کر کتاب اللہ میں امید افزا کوئی آیت نہیں۔"

غلامان مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ آیت سب سے بڑھ کر امید افزاء کیوں نہ ہو کہ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اذا واللہ لا ارض و واحد من امتی فی النار (القرطبی، ١٠ : ٩٦)

اب اللہ کی قسم میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو گا۔

تعلیمات قرآنی کا بنیادی فلسفہ

قرآن مجید کی تعلیمات امت مسلمہ کے لئے جو راہ حیات اور لائحہ عمل متعین کرتی ہیں اس کا بنیادی نقطہ ہادی برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا طلبی اور خوشنودی کا حصول ہے اس نکتے کو بڑی صراحت کے ساتھ رب اکبر نے قرآن مجید میں جا بجا بیان بھی کیا ہے یعنی کسی کو خدا کی رضا مطلوب ہے تو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا و خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھا جائے۔ کیونکہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہی درحقیقت رضائے خداوندی ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

جان لیجئے کہ رضائے خداوندی کا حصول تمام مخلوق کا مطمعِ نظر رہا ہے اور ہے اسی سمت تمام انبیاء کرام علیہم السلام گامزن رہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا منتہا و مقصود خدا کی رضا جوئی اور اس کے احکام کی اتباع کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ قرآن مجید میں انبیاء کی جو دعائیں منقول ہیں ان میں ایک دعا کم و بیش ہر نبی نے بارگاہ خداوندی میں بایں الفاظ کی ہے۔

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ (النمل ' ٢٧:١٩)

کہ ہمیشہ وہ نیک کام کیا کروں جو تجھے پسند ہو۔

www.MinhajBooks.com

حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے بڑے بڑے جلیل القدر نبی جن کی حکومت کا دبدبہ اور جاہ وجلال روئے زمین پر ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے بارگاہ صمدیت میں تضرع و زاری سے یہی صدا مانگتے رہے کہ خدایا ہمیں ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو جائے **ترضاہ** کے الفاظ بتکرار ان کی دعا کا حصہ رہے لیکن آقائے نامدار ﷺ کی شان محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ **ترضاھا** کے الفاظ خدا کی ذات نے خصوصیت کے ساتھ صرف آپ ﷺ کے لئے استعمال کئے جیسا کہ تحویل قبلہ کے ضمن میں حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (البقرۃ، ۲: ۱۴۴)

پس بے شک ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اللہ رب العزت بصراحت بیان فرما رہے ہیں کہ قبلہ تبدیل کرنے کے حکم کا محرک اور مقصد وحید یہ ہے کہ میرا حبیب ﷺ راضی ہو جائے رب العزت کی رضا اور عطا کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا اس کا احاطہ کوئی فرد بشر نہیں کر سکتا تاہم اتنا ضرور سمجھا جا سکتا ہے کہ خدائے قدوس کی نگاہیں ہمہ وقت اپنے حبیب ﷺ کی رضا کی طرف لگی ہوئی ہیں درج ذیل حدیث قدسی کے الفاظ بھی اسی مفہوم پر دلالت کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا محمد کل احد یطلب رضائی و انا اطلب رضاءک

اے محبوب دنیا کی ہر چیز میری رضا چاہتی ہے اور میں تیری رضا چاہتا ہوں۔

(تفسیر کبیر: ۲)

ادائے محبوب اور آیت مذکورہ

جیسا کہ پہلے اجمالاً تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اس پر یہود طعن کرتے کہ

مسلمان ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں اگر ہم نہ ہوتے تو ان کو قبلہ کی خبر نہ ہوتی یہ عنقریب ہمارے دین کو اختیار کر لیں گے رسالتمآب ﷺ کے دل اقدس پر بوجھ ہوا اور آپ ﷺ نے تبدیلی قبلہ کی خواہش فرمائی۔ روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا۔

و دوت ان اللہ صرفنی عن قبلۃ الیھود — میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا قبلہ تبدیل فرمادے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

انا عبد مثلک و انت کریم علی ربک فادع ربک و سلہ — یا رسول اللہ ﷺ میں بھی ایک عبد ہوں اور آپ ﷺ اللہ کی بارگاہ میں معزز ہیں لہٰذا دعا فرمائیے۔

(روح البیان‘ ۱:۲۵۱)

یعنی میں بندہ مامور ہوں اور آپ ﷺ بندہ محبوب ہیں‘ میں صرف ماننے والا ہوں آپ ﷺ ماننے والے اور منوانے والے بھی ہیں رب تعالیٰ آپ ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔

یہ کہہ کر جبرئیل امین آسمان پر چلے گئے اور حضور ﷺ نے نماز کی نیت باندھ لی اور آرزوئے شوق میں کہ تبدیلی قبلہ کا حکم آئے چہرہ اقدس اٹھا کر بار بار آسمان کی طرف دیکھا اللہ رب العزت کو اپنے محبوب ﷺ کے اس انداز پر پیار آگیا اور فرمایا۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(البقرۃ‘ ۲:۱۴۴)

(اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ لیا۔ پس بے شک ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ پس اب اپنا منہ (نماز میں) مسجد الحرام کی طرف پھیر لیجئے۔

تبدیلیٔ قبلہ کا حکم اس کے بغیر بھی ممکن تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کی ادائیں کتنی پسند ہیں کہ اس نے تبدیلی قبلہ کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب کی اس ادا کو تاقیامت محفوظ کر دیا تاکہ تبدیلی قبلہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ یہ تبدیلی خواہش محبوب کے پیش نظر کی گئی ہے۔

آپ کی ہر ادا باری تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے

آیت مذکورہ میں صرف آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کو ملاحظہ فرمانے کا ذکر ہے دوسرے مقام پر قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر عمل اور ہر ادا رب العزت کی توجہ کا مرکز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ○ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ○ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ○ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ○

(الشعراء، ۲۶:۲۱۶۔۲۱۹)

پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ان کاموں سے بری ہوں اور آپ بڑے غلبہ والے رحیم (خدا) پر بھروسہ رکھئے۔ (وہ اللہ) جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ اٹھتے ہیں، اور (جب جلوت میں) نمازوں کے درمیان آپ پھرتے ہیں۔

یعنی اے محبوب ﷺ تو اپنے مولا کریم پر توکل کر جس کی چشم عنائت تجھے ہر وقت تکتی رہتی ہے آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو ہماری خصوصی نوازشات سے سرفراز نہ ہو یہاں تک کہ جب تو اٹھتا بیٹھتا ہے تو ہم تیری نشست و برخاست کو بھی دیکھتے ہیں۔

یہاں قیام و تقلب سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت مقاتلؒ سے منقول ہے۔

یعنی یراک حین تصلی وحدک و آپ ﷺ اس وقت بھی چشم کریمانہ کا

حین تصلی مع المصلین فی الجماعۃ — مرکز ہوتے ہیں جب تنہا نماز ادا کریں اور اس وقت بھی جب اپنے غلاموں کی امامت کریں۔

(المظہری '۷:۸٦)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی" آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

تقلبک فی صلاتک فی حال قیامک و رکوعک و سجودک و قعودک — نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام' رکوع' سجود اور قعود ہماری نگاہوں میں ہے۔

(ایضاً)

بعض علماء نے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب نماز تہجد کی فرضیت ختم ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری کے وقت اپنے زیر تربیت غلاموں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے کہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں۔

فوجدھا کبیوت النحل لما سمع لھا من دندنتھم بذکر اللّٰہ والتلاوۃ — آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس صحابی کے گھر کے پاس سے بھی گزرتے تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی آوازیں اس طرح آ رہی تھیں جیسے شہد کے چھتے سے شہد کی مکھیاں گنگنا رہی ہوں۔

(المظہری '۷:۸٦)

امام ابو نعیم' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آیت مذکورہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تقلب سے مراد **تنقل فی الاصلاب** ہے۔

التقلب فی الساجدین التنقل فی اصلابھم حتی ولدتہ امہ علیہ الصلوٰۃ والسلام — جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کی پشتوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا تو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہا تھا۔

(روح المعانی، ۱۹: ۱۳۷)

آیت مذکورہ میں خواہ آپ ﷺ کی نماز کا قیام، رکوع و سجود مراد ہو یا مطلقاً قیام، آپ ﷺ کا صحابہ کے ہاں تشریف لے جانا ہو یا آپ ﷺ کے نور اقدس کا مبارک رحموں وصلبوں میں منتقل ہونا تمام کے تمام احوال اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہات کا مرکز ہیں اور توجہات الٰہی آپ ﷺ ہی کا خاصہ ہیں۔

خدا کی نگاہیں ہمہ وقت اپنے محبوب کی طرف لگی ہوئی ہیں

دشمنان اسلام کی شب و روز کی ہرزہ سرائیوں، طعن و تشنیع اور زبان درازیوں سے حضور ﷺ کی طبع مبارک میں حزن وملال کے آثار کا پیدا ہو جانا اور دعوت توحید و رسالت کی تکذیب سے آپ ﷺ کے سینہ اقدس میں تنگی اور گرانی کا در آنا فطری امر تھا ایسے میں ذات خداوندی اپنے محبوب ﷺ کو ڈھارس دلاتی ہے کہ کفار و مشرکین کی بیہودہ اور ناروا باتوں سے ملول اور دل گرفتہ نہ ہوں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ حرکتیں تمہیں کتنی شاق گزرتی ہیں۔ اپنے حبیب ﷺ کی تسلی اور تشفی کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ
(الحجر، ۱۵: ۹۷)

اور (اے رسول) ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں پر آپ کا جی تنگ ہوتا ہے۔

آپ ﷺ جس عظیم مشن کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہے تھے اس کی راہ میں قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ تھے کفار و مشرکین کی پیہم طعنہ پردازیوں، دشنام طرازیوں سے حضور ﷺ کے آبگینہ دل کو ٹھیس لگتی تو ذات خداوندی پیار بھرے انداز میں تسلی دینے لگتی کہ اے حبیب ﷺ ان بدبختوں کی باتوں سے نہ گھبرایئے عزم وہمت اور استقلال سے اپنا کام کرتے جایئے ہماری نظریں تو ہمہ وقت آپ ﷺ ہی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا
(الطور، ۵۲: ۴۸)

اور آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار فرمایئے بہر حال آپ تو ہماری نظروں میں ہیں۔

www.MinhajBooks.com

اپنے محبوب ﷺ کو صبر کی تلقین یہ کہہ کر فرمائی جا رہی ہے کہ ہماری نگاہیں ہمہ وقت آپ ﷺ کی طرف لگی ہوئی ہیں آپ ﷺ اسلام کے فروغ کے لئے جس طرح مصائب جھیلتے ہیں دشمنوں کی جلی کٹی اور کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتے ہیں سب کچھ نظروں کے سامنے ہے تبلیغ دین کے لئے آپ ﷺ کی شبانہ روز کاوشیں، دشمنان اسلام کی مکارانہ سازشیں، ریشہ دوانیاں اور جس طرح وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں سب کچھ ہماری نظر میں ہے۔ **فانک باعیننا** کے الفاظ قرآنی وہ مژدہ **جانفزاء** ہیں جن سے رسول مکرم ﷺ کی ہمت بندھائی گئی کہ آپ ﷺ صبر کا دامن تھامیں رکھیں اور اپنی **پیغبرانہ** جدوجہد کو بلاخوف جاری رکھیں۔

حضور ﷺ کی پشت اطہر کا ذکر

قرآن مجید نے حضور اکرم ﷺ کی پشت مبارک کا بھی ذکر کیا ہے جس پر منصب نبوت اور عظیم **پیغبرانہ** ذمہ داریوں کا بوجھ تھا اور جس رب العزت نے کمال لطف و شفقت سے ہلکا کر دیا ارشاد ہوتا ہے۔

وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ

اور ہم نے آپ ﷺ کا وہ بوجھ اتار دیا جو آپ ﷺ کی پیٹھ توڑ ڈالتا تھا۔ (الانشراح، ۹۴: ۳-۴)

یہاں یہ مژدہ **جانفزاء** سنایا گیا ہے کہ اسلام کے عظیم مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جو بوجھ آپ ﷺ نے اپنی پشت اقدس پر اٹھایا ہوا تھا ہم نے بر بنائے شفقت و محبت اسے ہلکا کر دیا ہے جس سے آپ ﷺ کی راہ عزیمت اور اشاعت کے لئے آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

قرآن حکیم میں گفتار مصطفےٰ ﷺ کا ذکر

قرآن مجید حضور ﷺ کی بول چال، گفتگو اور دہن مبارک کا ذکر بھی کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

www.MinhajBooks.com

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (التکویر '۸۱:۱۹) یہ قرآن رسول کریم ﷺ کا (لایا ہوا) قول ہے۔

خدائے علیم قدیر نے قرآن کو جو اپنے صدور کے اعتبار سے لفظاً و معناً سراسر کلام الٰہی ہے ظہور کے اعتبار سے کلام مصطفوی ﷺ قرار دیا ہے یہ عظیم قرآن جبرئیل امین کی وساطت سے تیئس سالہ دور نبوت میں آنحضور ﷺ کے قلب انور پر نازل کیا جاتا رہا جسے آپ ﷺ اپنی زبان حق ترجمان سے افراد امت تک منتقل فرماتے رہے حضور اکرم ﷺ کا منصب رسالت کتنا **مہتم بالشان** تھا کہ خدا نے اپنے کلام کو رسول کریم ﷺ کے کلام سے تعبیر کیا پھر قرآن نے ذہن انسانی سے اس خلجان اور التباس کو رفع کرنے کے لئے کہ انسان ہونے کے ناطے اس رسول ﷺ کے کلام کو انسانی کلام پر محمول نہ کر لیا جائے۔ واشگاف انداز میں اعلان کر دیا کہ میرا رسول ﷺ خواہش نفس سے ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے اللہ کی طرف سے وحی ہوتا ہے۔

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم '۵۳:۳۔۴) اور وہ اپنی خواہش سے بات ہی نہیں کرتے۔ وہ تو وہی فرماتے ہیں جو ان پر وحی ہوتا ہے۔

آیہ کریمہ میں ہر قسم کے گمان کا ابطال کر دیا گیا کہ یہ رسول ﷺ انسان تو ضرور ہے لیکن وہ اپنی خواہش سے ایک لفظ بھی نہیں بولتا وہ جو کچھ کہتا ہے سراسر وحی الٰہی ہوتا ہے اتنا فرق ضرور ہے کہ اگر وہ وحی جبرائیل امین علیہ السلام کے توسط سے قلب مصطفیٰ ﷺ پر اترے تو اسے قرآن کہا جائے گا اور اگر جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو حدیث۔ وحی کی پہلی قسم کو وحی جلی اور وحی متلو کا درجہ دیا گیا ہے جبکہ دوسری کو وحی خفی اور وحی غیر متلو کا۔ بہر حال آپ ﷺ کا ہر قول ہر حالت میں وحی ہی ہو گا کیونکہ اس میں خواہش نفس کا کوئی دخل نہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے کوئی غلط کلمہ صادر ہو ہی نہیں سکتا۔

www.MinhajBooks.com

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ آپ ﷺ نے انسانی سطح پر نہایت بھرپور زندگی گزاری جس میں شب و روز مختلف النوع معاملات پیش آتے رہے گوناگوں مسائل سامنے آئے جنہیں گفتگو اور باہمی مشاورت کے ذریعے طے کیا جاتا رہا لیکن یہ امر آیت مذکورہ کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذہن مبارک سے نکلنے والی ہر بات وحی الٰہی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے وہ نہ صرف حق بلکہ معیار حق تھی آپ ﷺ کی ہر بات میں خدا کا ارادہ اور مشیت کارفرما ہوتی تھی بقول مولائے روم ؒ

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

فعل نبوی ﷺ فعل الٰہی ہے

نبی اکرم ﷺ کی ہر بات کا ازروئے قرآن وحی الٰہی ہونا ثابت اور طے شدہ امر ہے قرآن تو آپ ﷺ کے فعل کو بھی فعل خداوندی قرار دیتا ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ
(الفتح، ۴۸:۱۰)

(اے رسول) بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں (گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اس آیہ کریمہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں جنہوں نے حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ ارشاد فرمایا گیا کہ اے محبوب ﷺ بے شک انہوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی ہے لیکن وہ ہاتھ تیرا نہیں اللہ کا ہے۔

غزوۂ بدر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں کفار و مشرکین کے جم غفیر کی طرف پھینکیں ان میں سے جس جس کو وہ کنکریاں لگیں اس کی بینائی سلب ہو گئی کنکریاں مارنے کا فعل بظاہر حضور ﷺ کے ہاتھوں صادر ہوا تھا لیکن اللہ رب

www.MinhajBooks.com

العزت نے قرآن مجید میں اسے بایں الفاظ اپنی طرف منسوب کرلیا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ۸: ۱۷) اور (اے حبیب) جس وقت آپ نے (مٹھی بھر خاک دشمن پر) پھینکی تھی، آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

گویا وہ ہاتھ جس سے کنکریاں پھینکنے کا فعل عمل میں آیا حکماً اللہ کا ہاتھ قرار دیا جا رہا ہے۔

رسول امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معلم حقیقی خدا ہے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانوئے تلمذ کسی استاد کے آگے تہہ نہ کئے اللہ تعالٰی نے تمام علوم و معارف کے خزانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براہ راست عطا کر دیئے تھے قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امی ہونے کی یہ حکمت ارشاد فرمائی گئی۔

وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (العنکبوت ۲۹: ۴۸) اور نہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، (کیونکہ) اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ میں پڑ جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ مبادا کوئی اس اشتباہ میں پڑ جائے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے سیکھ کر یہ کلام خود لکھتے ہیں جب صورتحال یہ ہے کہ اس نے کسی استاد یا مکتب و مدرسہ سے کسب علم کیا ہی نہیں اور اس کو سکھانے والا اللہ تعالٰی کے سوا اور کوئی نہیں تو پھر یہ مان لینے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرستادۂ حق ہے اور وہ پیغام جو اس پر نازل کیا گیا نوشتۂ حق ہے۔

بیان شمائل کا مقصد تعلیم ادب ہے

قرآن مجید نے بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب بجالانے کی تعلیم عطا کی اور متبعین اسلام کو تلقین فرمائی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام انسان سمجھ کر انہیں بلند آواز

www.MinhajBooks.com

سے نہ پکاریں جیسے روزمرہ زندگی میں ایک دوسرے کو پکارنے کے عادی ہیں ایسا کرنے والوں کے لئے قرآن مجید نے نہایت کڑی وعید سنائی ہے ارشاد فرمایا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح زور سے نہ بولو جیسے آپس میں بولتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

(الحجرات، ۴۹:۲)

اُمتِ مصطفوی ﷺ کو اپنے آقا و مولا ﷺ کے ادب کا قرینہ سکھایا گیا کہ وہ اپنی آوازیں بھی اس بارگاہ بیکس پناہ میں پست رکھیں مبادا ان کے اعمال اس ذرا سی لغزش سے تباہ و برباد ہو جائیں اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔

شمائل کے باب میں قرآن مجید اس بنیادی نکتے کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اہل ایمان کے قلوب میں ادب مصطفوی ﷺ بدرجہ اتم جاگزیں ہو جائے اور وہ حضور ﷺ کی ذات گرامی کی تعظیم و تکریم کو بشرح صدر اپنا شعار حیات بنائیں۔ عشق و محبت کا وہ مقام جہاں جنیدؒ اور بایزیدؒ بھی اس بارگاہ بیکس پناہ میں سراپا ادب اور دم بخود نظر آتے ہیں ہر بندہ مومن کے ایمان کا مرکز و محور ہونا چاہیئے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا